آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سلطنت مدینہ میں حکومت کیسے قائم ہوئی

درس قرآن کے تسلسل میں اس عظیم موضوع پر خلافت کا بیان

درس قرآن

بمقام: اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

بتاریخ: ۱۱۳ اگست ۱۹۹۶

درس

جسٹس ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ

جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ لاہور

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سلطنت مدینہ میں حکومت کیسے قائم ہوئی

درس قرآن کے تسلسل میں اس عظیم موضوع پر خلافت کا بیان

بمقام: اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

بتاریخ: ۱۱۳ اگست ۱۹۹۶

درس

جسٹس ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ

جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ لاہور

نام کتاب	درس قرآن
مؤلف	جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم
کمپوزر	محمد عبداللہ (03217492105)
سال اشاعت	2018
صفحات	48
تعداد	1000
قیمت	

ملنے کے پتے

⌘ محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ (042-37321526)

فون: 03024284770

⌘ LG10 ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

⌘ جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی، نزد توحید پارک، شاہدرہ، لاہور

فون: 0336-03006332387

⌘ جیلانی اکیڈمی جہانزیب بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون: 03004840053

⌘ سٹی جامع مسجد سٹاک پورٹ روڈ، مانچسٹر، یو۔کے پوسٹ کوڈ: M124DT

Jamia Islamia, Manchester, M12 M4DT,UK

Tel.: 00447877151083- Mob.: 0044781510

فہرستِ مضامین

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد:

آنحضرت ﷺ کے بعد حکومت کس طرح قائم ہوئی؟ یہ اسلامی تاریخ کا ایک بہت اہم سوال ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ سب کچھ ہو چکا اب خلافت نہ کسی سے واپس لی جاسکتی ہے اور نہ اس دور کے لوگوں میں سے کسی کو دی جاسکتی ہے سو کس قدر نادان ہیں وہ لوگ جو آج اس پر بحثیں کرتے ہیں کہ خلیفہ کس کو ہونا چاہئے اور کس قدر بدزبان ہیں وہ ذاکر جو حقائق کو مسخ کر کے ان بزرگوں کے خلاف دن رات تبرا کرتے ہیں۔

ہاں اس سلسلہ میں جو واقعات رونما ہوئے وہ بیشک ہماری تاریخ کا جزء ہیں اور یہ کوئی ایسی تاریخ نہیں جو عالمی سطح پر کچھ ہمارے لئے باعث ننگ و عار ہو بلکہ یہی وہ تاریخ ہے جس کی روشنی میں مسلمانوں کا یہ دعوی پورا اترتا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو امن کے ایوانوں اور جنگ کے میدانوں میں برابر چلتا ہے۔ کیا عقائد اور کیا اعمال، کیا اخلاق اور کیا سیاسیات، عدالتیں ہوں یا کاروبار کی منڈیاں ہر دائرہ زندگی میں خلافت راشدہ کا آفتاب چمکا اور ہماری تاریخ کی آئندہ چودہ صدیوں میں اگر کہیں کوئی اچھائی کی کرن پھوٹی تو وہ اسی آفتاب کی ایک کرن ہے۔

اسلامک اکیڈیمی آف مانچسٹر میں قرآن کریم کا ہفتہ وار درس گذشتہ بائیس سال سے متواتر ہو رہا ہے اس درس میں صرف مانچسٹر کے احباب ہی نہیں بلکہ دور کے دوسرے شہروں سے بھی لوگ جوق در جوق اس میں شریک ہوتے ہیں۔ ۱۳ اگست ۹۲ء کے درس میں چلتے چلتے ضمناً یہ بات آگئی کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد حکومت کس طرح قائم ہوئی پھر سوالات کرنے والوں نے بات کا رخ کچھ اس طرف پھیر دیا کہ یہ تاریخی واقعات ایک ترتیب سے سامنے آتے چلے گئے۔ جو حضرات شریک درس تھے ان میں سے بعض احباب کی خواہش ہوئی کہ اسے ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیا جائے کہ جس سے منتشر قلوب مطمئن اور پراگندہ ذہن پرسکون ہوسکیں۔ احباب کے پیش نظر ہمارے محترم

جناب ڈاکٹر محمد سلیم صاحب پروفیسر انجیرنگ یونیورسٹی لاہور نے یہ درس کاغذات کے صفحات پر اتارا۔ اس درس میں بیان ہی بیان تھا حوالے نہ تھے۔ اب جبکہ یہ درس کتابی صورت میں سامنے آرہا ہے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اسے حوالوں کے ذریعہ مزّین کر دیا جائے۔ راقم الحروف نے اسکے ضروری حوالے حاشیے میں نقل کر دیئے ہیں تاکہ اگر کوئی سیاہ دل اس میں شک کرے تو وہ اسکی تحقیق کیلیے اصل کتابوں کی طرف مراجعت کر سکے۔ مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتھم کا اس درس میں انداز سمجھانے کا ہے مناظرانہ نہیں اسلیے راقم الحروف نے بھی حاشیہ میں اسی پیرایہ کو سامنے رکھا ہے۔

محترم جناب حاجی محمد نیاز صاحب (آئیڈیل پرنٹنگ سروس، مانچسٹر) لائق تشکر ہیں کہ انہوں نے راقم الحروف کے ان تیار کردہ اوراق کو پریس کے حوالہ کیا اور آج اکیڈمی کی یہ ایک اور تبلیغی خدمت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ اس درس کو غور سے ملاحظہ فرمادیں اور ان حقائق کو سمجھیں انشاء اللہ وہ خود محسوس کریں گے کہ مسلک اہل سنت والجماعت کا دامن بہت صاف روشن اور بے داغ ہے۔ جو احباب اس درس کو خود نہ پڑھ سکتے ہوں پڑھے لکھے حضرات کو چاہیے کہ وہ انہیں یہ درس سنادیں اور کبھی کبھی سناتے رہیں تاکہ مسلک اہلسنت الجماعت انکے سامنے بھی منقح ہو جائے اور کوئی سیاہ دل سیاہ لباس میں ملبوس ہو کر انہیں کسی سیاہ جال میں نہ کھینچ سکے۔

محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ

☆☆☆

مجلس درس

یہودیوں نے کس طرح قومی ضد سے حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور پھر مسلمانوں میں گھس کر حضور ﷺ کی خلافت کو ایک اختلافی مسئلہ بنایا

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

(البقرہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں یہود کے بارے میں ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ﴾ اور جب آئی کتاب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ تصدیق کرنے والی اس چیز کی جو ان کے پاس تھی۔

اس کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اتارا تو یہودیوں کی جو کتاب پہلے سے تھی (اس کا نام تورات تھا) تو اس کتاب نے یعنی قرآن کریم نے اس کتاب کی تصدیق کی کہ واقعی وہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب تھی اور اللہ تعالیٰ کی نافذ کردہ شریعت تھی۔ سو یہود کے سامنے قرآن کریم کوئی ایسی کتاب نہیں آئی جس نے ان کی کتاب کی تردید کرنی ہو۔ بلکہ یہ کتاب ان کی کتاب کی تصدیق کرتی تھی جب یہ کتاب ان کی کتاب کی تصدیق کرتی آئی تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس کتاب کو بھی قبول کرتے اور اس پیغمبر

کی نبوت ورسالت کو بھی قبول کرتے۔ لیکن وہ نسلی امتیاز کے احساس سے ضد میں آگئے۔

ضد میں آکر حضور ﷺ کی نبوت کا انکار

پہلے حال یہ تھا جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ یہود کی حضور ﷺ کے آنے سے پہلے مشرکین سے جو جنگیں ہوتی رہیں تو جنگ کے موقع پر وہ اللہ تبارک تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے اس نبی کے وسیلہ سے۔ کہ یا اللہ جو پیغمبر آخر الزمان آنے والا ہے اس کی برکت سے ہمیں فتح دے[1]۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تو پہلے یہود کھلے طور پر کہتے تھے کہ وہ پیغمبر عرب میں آنے والا ہے اور فاران کی چوٹیوں پر اس کا ظہور ہو گا اور فاران کی چوٹیاں اس کی آمد پر پکاریں گی کہ پیغمبر آخر الزمان آگیا ہے تو اتنی شہرت دے رکھی تھی یہود نے حضور ﷺ کے آنے کی اور پھر جب حضور ﷺ پر وہ کتاب آئی اور اس نے کھلے بندوں کہا کہ وہ تورات کی بھی تصدیق کرتی ہے تو ان حالات میں یہود کو چاہیے تھا کہ وہ حضور ﷺ کو قبول کرتے جن کو وہ پہچان رہے تھے سالوں سے۔ جن کی خبریں سن رہے تھے سالوں سے۔ ان کا فرض تھا کہ پھر اس پیغمبر کو قبول کرتے لیکن ایک ضد کی بنا پر یہ مقابلے پر کھڑے ہو گئے۔ آپس میں کہتے تھے کہ یہ ہے وہی پیغمبر جس نے آنا تھا لیکن

---

(1) مدینہ کے یہود جب قبائل جب عرب سے شکست کھا کر عاجز ہو جاتے تو اپنے علماء کی تعلیم سے یہ دعا کرتے تھے اللھم ربنا انا نسئلك بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان وکتابك الذی تنزل علیه آخر ماینزل ان تنصرنا علی اعدائنا اے اللہ ہم کو نبی آخر الزمان حضرت احمد ﷺ اور قرآن کریم کے وسیلے سے برکت عطا فرما اور ہمیں ہمارے دشمنوں پر کامیاب فرما(رواہ الحاکم والبیھقی) قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔ والاستفتاح الاستنصار ای کانوا من قبل یطلبون من الله النصر علی اعدائهم بالنبی المنعوت فی آخر الزمان الذی یجدون صفته فی التوراة(تفسیر فتح القدیر ج ۱ص ۱۱۴) ترجمہ۔ استفتاح سے مراد مدد مانگنا ہے یعنی وہ پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں کے خلاف مدد مانگا کرتے تھے اس نبی کے وسیلہ سے جو آخری دور میں آنے والا تھا جسکی صفتیں وہ تورات میں کھلے طور پر دیکھتے تھے۔

افسوس کہ وہ ایک نسلی ضد کی بنا پر مخالف ہو گئے۔

یہ عام شہرت تھی کہ پیغمبر آخر الزمان کا دور قریب آ لگا ہے

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب یہ مخالف ہو گئے اور اس سے پہلے یہ اللہ کے حضور فتح مانگا کرتے تھے اس پیغمبر کی برکت سے۔ اس کے وسیلہ سے۔ مدد دینے والا اور فتح دینے والا صرف اللہ ہے لیکن اللہ کے حضور اگر اس کے مقربین کو وسیلہ بنایا جائے اور ان کی برکت سے دعا مانگی جائے تو وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ لانا بشرطیکہ مانگنا اللہ سے ہو، یہ جائز ہے۔ یہود ایسا کیا کرتے تھے کہ پیغمبر آخر الزماں کے واسطے سے اللہ کے حضور دعائیں کیا کرتے تھے۔ تو اگر واسطہ اور وسیلہ سے دعا کرنا ناجائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرما دیتے کہ یہودیوں کا یہ عمل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی کوئی بھی بات نقل فرمائیں اور اس کی تردید نہ کریں تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ باقی مانگنا اللہ سے چاہیے لیکن بزرگوں کا، انبیاء کا اور اللہ کے مقربین کا واسطہ دینا خدا کے حضور اس میں کوئی حرج نہیں یہ بالکل جائز ہے۔

خدا کو وسیلہ نہیں بنانا چاہیے اس میں اس کی بے ادبی ہے

آج کل جس کو بعض جاہل لوگ وسیلہ کہتے ہیں وہ اس کے بالکل الٹ ہے وہ مانگتے ہیں بزرگوں سے اور اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے دو۔ اے فلاں بزرگ؛ اللہ کے فلاں کے لیے دے دو۔ تو اللہ کیا بن گیا؟ ''وسیلہ'' اور مانگا کس سے؟ ''بزرگ'' سے۔ حالانکہ چاہیے تھا کہ مانگا اللہ سے جائے اور جو بزرگ ہیں ان کو وسیلہ قرار دیا جائے کہ:

یا اللہ؛ فلاں بزرگ کی نیکیوں کا صدقہ اور ان کی برکات کا صدقہ، تو ہماری دعا قبول فرما۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہود جب میدانِ جنگ میں جاتے تھے تو علی الاعلان کہتے تھے کہ یا اللہ جو پیغمبر آنے والا ہے آخری دور میں، جو آئے گا فاران کی چوٹیوں پر، جس کی صدا بلند ہو گی،

تو ان کے واسطہ سے اور ان کی برکت سے ہمیں فتح عطا فرما۔

ایک جانب تو اس پیغمبر کو اتنا سر آنکھوں پر رکھنا کہ اس کے نام سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور جب وہ آگیا تو ضد پر کھڑے ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ صرف جاننے کی بنیاد پر نہیں۔ جاننا علم ہے۔ یہودیوں کو علم تھا کہ یہ پیغمبر آخر الزمان ہیں بلکہ دوسرے مقام پر فرمایا:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ (البقرہ ۱۴۶)

کہ یہ اس طرح حضور ﷺ کو پہچانتے ہیں جس طرح کوئی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہو۔ جس طرح اپنے بیٹے کو پہچاننے میں کوئی مغالطہ نہیں اس طرح ان کو کوئی مغالطہ نہیں تھا پیغمبر آخر الزماں کے بارے میں۔ لیکن جب وہ آئے تو ضد میں آگئے۔ معلوم ہوا کہ ضد بڑا خطرناک مرض ہے کہ یہ جانے اور مانے ہوؤں سے بھی انکار کروا دیتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بہت برا سودا کیا۔ بہت بُرا سودا کیا کہ اپنی ضد کو پالا اور اپنی آخرت کو بالکل تباہ کر لیا۔ تو فرمایا کہ بہت ہی برا سودا ہے کہ انہوں نے اپنی جانوں کو خرید اایمان کے بدلے۔ کہ وہ انکار کرتے تھے اس کا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا، ضد کی وجہ سے۔

یہودیوں کی ضد کی وجہ کہ نبوت بنو اسمعیل میں کیوں چلی گئی؟

یہودیوں کی ضد یہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا فضل عربوں پر کیوں اتارا؟ یہ پیغمبر بنی اسرائیل میں کیوں نہیں آیا؟ بنو اسرائیل ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کی دوسری لڑی تھی اور یہودی اسی غم میں مارے گئے کہ ہائے یہ آخری پیغمبر اور خدا کی آخری امانت بنو اسماعیل میں کیوں آگئی؟ اسی بنا پر یہ آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ ہم کون ہیں اللہ کی رحمت تقسیم کرنے والے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس پر اتارے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (پارہ ۸ الانعام ۱۲۴)۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں اتارے اور کس کو دے۔

مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن

سو بنو اسرائیل (یہود) مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا۔ (پارہ ۶ المائدہ ۸۲)

(اے مخاطب) تم پاؤ گے کہ دشمنی میں سب سے زیادہ سخت ایمان والوں کے ساتھ یہود ہیں۔

تو سب سے بڑے دشمن یہود ہوئے۔ یہود نے مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں کیں وہ ہماری تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ اسے اس طرح ترتیب سے سمجھیں کہ نبی پاک ﷺ پر اللہ کا جو دین اترا نبی پاک ﷺ نے اللہ کی یہ امانت پوری کی پوری قوم تک پہنچادی اور پھر آپ ﷺ کو سفر آخرت پیش آگیا۔ یہودی اس سے پہلے یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ یہ پودا پروان نہیں چڑھے گا۔ اس طرح کہ عربوں میں ہر تحریک اور ہر پروگرام کو کامیابی حاصل ہوتی ہے بیٹوں کے ذریعے۔ باپ بات کرے اور بیٹے بڑے ہو جائیں، جوان ہو جائیں اور باپ کی بات کو آگے لے کر جائیں۔ سو جو فتح بھی ہوتی ہے اور ہوتی ہے بیٹوں کے ذریعے تو اس پیغمبر کا تو کوئی بیٹا نہیں، بیٹیاں ہی ہیں تو اس کی وفات کے فوراً بعد یہ اسلام کا درخت خود بخود اکھڑ جائے گا (معاذ اللہ)۔

یہودیوں کی شجرِ اسلام اکھڑنے کی امید

یہود یہ امید لگائے بیٹھے تھے۔ پہلے تو انتظار کیا اور جاننے کے باوجود کہ یہ وہی پیغمبر آخر الزمان ہیں آپ کو نہ مانا اور جب اسلام اپنی پوری بہار دکھا چکا، نبی پاک ﷺ اپنا دین مکمل ہونے کا اعلان کر چکے، پھر ان یہودیوں کو اس بات کی پریشانی ہوئی کہ ہم سمجھ رہے

تھے کہ ان کا بیٹا کوئی نہیں تو یہ بات اور ساری تحریک ختم ہو جائے گی لیکن انہوں نے دیکھا کہ جس کا کوئی بیٹا نہیں اس کے ساتھ سینکڑوں لوگ قربان ہونے کے لیے تیار کھڑے ہیں جو مشن حضور ﷺ کا تھا اس کو آگے پہنچانے کے لیے اور کامیاب کرنے کے لیے ایک جماعت کی جماعت آپ کے ساتھ ہے۔ تم بیٹے کی بات کر رہے ہو؟ کسی کا ایک بیٹا ہوتا ہے، کسی کے دو اور کسی کے چار۔ تو دو چار بیٹوں کے ساتھ وہ کام نہیں ہو سکتا جو پوری دنیا میں ایک انقلاب کی شکل میں آئے۔ وہ انقلاب اس طرح آیا کہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ ایک نہیں سینکڑوں جانثار کھڑے ہو گئے۔ بیٹا باپ کے سلسلے کو اتنا کامیاب نہیں کر سکتا جتنا صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کی بات کو کامیاب کیا۔ یہودی امید لگائے بیٹھے تھے کہ مسلمان گئے کیونکہ آپ کا کوئی بیٹا نہیں۔

خاتم النبیین کے ہاں اولادِ نرینہ نہ ہونے پر انکی امیدیں اور ان کا آسمانی جواب

اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے جواب میں قرآنِ پاک میں فرمایا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کا کوئی بیٹا نہیں ان کے بارے میں خبر دی کہ اے میرے محبوب ﷺ جو تیرا دشمن ہو گا وہی ابتر ہو گا۔ اُسی کا کام باقی نہیں رہے گا۔ تیرا کام باقی رہے گا۔ یہ ابتر کا لفظ ہے عربی زبان کا، بگڑ کر بن گیا پنجابی زبان میں 'اونتر'۔ جس کا کوئی بیٹا نہ ہو اُسے اونتر کہتے ہیں۔ تو اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا: جو تیرا دشمن ہے وہ ابتر ہے۔ نسل اسکی نہ رہے گی۔ تو یہودی جو آپ ﷺ کے سخت دشمن ہیں ان کا سلسلہ آگے نہیں چلے گا۔ تیرا سلسلہ آگے چلے گا گو تیرا بیٹا نہیں لیکن تیری امت تو ہے، تیرے سینکڑوں جانثار تیرے مشن کے لیے کھڑے ہوں گے اور پوری دنیا میں انقلاب لائیں گے۔ تو حضور ﷺ کے بیٹا نہ ہونے سے حضور ﷺ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اللہ تعالیٰ نے ہزاروں جانثار دے دیے اور یہودی جو ضد کی بنا پر دشمنی کر رہے تھے ان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے پیغمبر ﷺ جو تیرا دشمن ہو گا وہ ابتر ہو گا، اُس کی آگے نسل نہیں ہو گی، بقا نہیں ہو گی۔

خلفائے ثلاثہؓ کی اولاد دنیا میں کثرت سے موجود ہے

ایک بات سامنے آتی ہے کہ شیعہ لوگوں نے جو یہ پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ خلفائےؓ ثلاثہ، تینوں خلافت کے حقدار نہ تھے، یہ دراصل حضور ﷺ کے مخالف تھے اور انہوں نے طاقت کے بل بوتے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا، جس سے وہ خلافت کے غاصب ٹھہرے۔ آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کی اولاد آگے چلی ہے کہ نہیں۔ جو لوگ صدیقی کہلاتے ہیں وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اولاد ہیں۔ جو فاروقی کہلاتے ہیں وہ عمر فاروقؓ کی اولاد ہیں جیسے مولانا عبد الشکور فاروقی اور جو عثمانی کہلاتے ہیں جیسے مولانا شبیر عثمانی وہ حضرت عثمانؓ کی اولاد ہیں۔ اس وقت اعداد و شمار کے لحاظ سے پوری دنیا میں صدیقی، فاروقی اور عثمانی سلسلے چل رہے ہیں تو ان سے بارہا کہا گیا ہے کہ قرآن تو کہتا ہے: اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ؛ جو تیرا دشمن ہے وہ ابتر ہو گا، اس کی بقائے نسل نہیں ہو گی۔ آپ نے کبھی سنا ابو لہب کی اولاد دنیا میں موجود ہے؟ نہ۔۔۔ جو قرآن کا اعلان تھا کہ جو تیرا دشمن ہے وہ ابتر ہو گا اس کی نسل باقی نہیں رہے گی تو ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ اگر واقعی رسول ﷺ کے مخالف ہوتے جیسا کہ شیعہ سمجھتے ہیں تو قرآن کی رُو سے اُن کی نسل آگے کیوں چلی۔ اور اتنی پھیلی کہ جہاں جہاں حضور ﷺ کی اولاد پھیلی یا حضرت علیؓ کی اولاد پھیلی وہاں وہاں اُن کی اولاد بھی پھیلی۔ سینکڑوں، ہزاروں آدمی آپ ایسے سنیں گے جن کے نام کے ساتھ آگے صدیقی، فاروقی، عثمانی یا علوی آتا ہے۔ یہودیوں نے جب یہ دیکھا کہ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ اس پیغمبر کا بیٹا کوئی نہیں تو یہ سلسلہ کامیاب نہیں ہو گا لیکن ان کے ساتھیوں نے اتنے تدبّر سے اس کام کو سنبھال لیا کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت تو اسلام کا پرچم صرف حجاز پر لہرا رہا تھا مکّہ اور مدینہ پر مگر حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے ساتھی اس قدر تیزی سے آگے بڑھے کہ گنتی کے چند سالوں میں اسلام کا جھنڈا روم، ایران، یمن، مصر اور شام پر لہرا گیا تو یہ جو ان کو کامیابی ہوئی وہ حضور ﷺ کی ہی کامیابی تھی۔

اُٹھی دشتِ صحرا سے مثلِ بگولہ
ہوئی رشکِ آفاق خاکِ حجازی
کیے اہلِ فارس کے آتشکدے گُل
الٹ دی بساطِ کلیسا کی بازی

جو جھنڈا لہرایا وہ حضور ﷺ کا ہی تھا۔ تو یہ بطور خادم اور علمبردار کے اس جھنڈے کے اٹھانے والے تھے اور کامیابی تو حضور ﷺ کی ہی ہو رہی تھی۔

یہودیوں کی صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں لڑانے کی سازش

اب یہودیوں نے پھر سازش کی۔ اور سازش یہ کی کہ نبی پاک ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں لڑانے کا سوچا۔ اور یہ تحریک چلائی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جو حضور ﷺ کے بعد خلیفہ ہوئے آپ خلافت پر بزور آگئے تھے۔ ان کے بارے میں پروپیگنڈا کیا گیا کہ یہ خلیفہ نہیں، خلیفہ تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو بنایا تھا۔ اور انہوں نے زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ ہم نے ان سے جب بھی پوچھا کہ حضرت علیؓ کو آپ ﷺ نے خلیفہ کب بنایا تھا تو یہ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ذوالحج کو بمقام غدیر خم۔ انکی احادیث کی جو مستند کتابیں ہیں ان میں امام باقر کے حوالہ سے یہ بات مذکور ہے کہ حضور ﷺ جب حج کر کے مدینہ منورہ چلے اور تمام ساتھی اپنے اپنے وطنوں کو لوٹ گئے۔ اب حضور ﷺ اور مدینہ والوں نے بھی مدینہ لوٹنا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور نبی پاک ﷺ یہ سارے مدینہ کے رہنے والے تھے۔ تو یہ مدینہ جا رہے تھے کہ رستے میں ایک مقام آیا جس کو کہتے ہیں غدیر خم (خم کا تالاب)[1]۔ وہاں مسافر ٹھہر گئے اور وہاں یہ آیت اتری: **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ**۔

---

(1) فقام بولاية علي عليه السلام يوم غدير خم فنادى للصلاه جامعه و امر الناس ان يبلغ الشاهد الغائب. فانزل الله عزوجل اليوم اكملت لكم دينكم (اصول کافی ج ۲ ص ۲۰۵ مع الشافی)۔

جس طرح چلتے ہوئے مسافر کہیں سٹاپ کرتے ہیں کہ ذرا آرام کرلیں اس طرح یہ لوگ بھی ٹھہر گئے۔ یہ کُل ۱۲۰ آدمی تھے۔ (۱)

خُم کے تالاب کے کنارے ایک اعلان

اس تالاب کے کنارے حاجی مسافر ٹھہرے تو نبی پاک ﷺ نے وہاں اعلان فرمایا کہ جس کا مولا میں اس کا مولی علی۔ مولا کے معنی عربی زبان میں دوست کے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس کا دوست میں اس کا دوست علی۔ اے اللہ اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔ اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک شخص حضرت علیؓ سے لڑ پڑا تھا تو حضور ﷺ نے اس کو سمجھایا اور اس کی خاطر ان سب کو سنایا کہ جو علیؓ سے لڑا ہے اسکی طرف اللہ کی طرف سے ناراضگی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا دوست میں ہوں اس کا دوست علیؓ ہے۔ اس کا خلافت یا نظامِ حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے تو یہ بات کہی تو یہودیوں نے اس کو اساس بنایا اور کہا کہ غدیرِ خُم پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین قرار دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ یہ لو میرا خلیفہ علیؓ ہے۔ ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اس پر شیعہ لوگوں نے اتنی محنت کی کہ اس حدیث کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے کتابیں لکھیں اور پروپیگنڈہ کیا کہ اس میں خلافت کا اعلان ہے۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کیا شیعہ نوجوان اور کیا شیعہ عوام وہ تو اپنی تاریخ کو اس طرح یاد رکھتے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے یہی باتیں کرتے ہیں۔ یہ بات ان کے عوام کو بھی زبان زد ہوتی ہے اور سنی عوام اپنے بیک گراؤنڈ سے تقریباً ناواقف ہیں۔ بڑی بڑی عمر کے بھی ہو گئے لیکن اگر یہ واقعات پوچھے جائیں کہ یہ کب ہوئے اور حضور ﷺ کو سفر آخرت کب پیش آیا تو وہ باتیں یاد نہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی شیعہ شخص اپنی اس من گھڑت بات کو ثابت کرنے لگتا ہے تو پھر لوگ بھاگے بھاگے آتے ہیں مسجدوں میں کہ جی وہ

(1) مسند علی بن ابی طالب ج ۱ ص ۱۸۲۔

یہ کہہ رہا ہے۔ تو کیا مسلمان نوجوانوں کا یہ فرض نہیں کہ اپنے مذہب کے ساتھ اتنی دلچسپی تو رکھیں کہ اس کے بارے میں بنیادی تاریخی معلومات ہر وقت ذہن میں رہیں۔ اپنے مذہب سے ایسی بھی کیا لاتعلقی کہ کبھی ان واقعات کو سنا بھی نہیں اور خود اپنی بھی کوئی Study نہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ جب کوئی مخالف اپنا وار کرتا ہے تو کئی لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتے ہیں اور اُن کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

خاتم النبیین کی سیاسی جانشینی کا مسئلہ

یہ مسئلہ شیعوں کے ہاں اصولی مسائل میں سے ہے۔ یہ اِن کے بنیادی مسائل میں سے ہے کہ نبی پاک ﷺ پر جب دین مکمل ہوا تو آپ ﷺ کی جانشینی کیسے طے ہوئی۔ خلافت کا مسئلہ کیسے طے ہوا؟ سو! اس کو یاد رکھیے اور میں بار بار یہ بات دہرا دیتا ہوں تاکہ وہ پختہ طور پر یاد ہو جائے کہ نبی پاک ﷺ نے آخری وقت میں بیماری کی کمزوری کی وجہ سے مسجد میں جماعت کروانے کے لیے اپنی عدم موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کیا تھا[1] اور کہا کہ یہ نماز پڑھائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نماز پڑھاتے رہے اتنے میں حضور ﷺ کی وفات ہو گئی۔ آپ نے وفات سے پہلے اپنا سیاسی جانشین کسی کو مقرر نہیں کیا۔ صرف نماز میں امام بنا کر اپنی طرف سے اشارہ دے دیا کہ میری نظر میں مسلمانوں کا بڑا بزرگ اس وقت یہ ہے۔ لیکن خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ خود مقرر اس لیے نہیں کیا کہ قوم اس کو مقرر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے خبر بھی دے دی تھی کہ امت ابو بکرؓ کے سوا کسی پہ راضی نہیں ہوگی۔ اور حضور ﷺ نے خود پیش قدمی نہ کی[2]۔

---

(1) شیعہ علماء تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آخری وقت میں حضرت ابو بکرؓ صدیق کو اپنی جگہ امام مقرر فرمایا (دیکھیے ناسخ التواریخ ج ا از کتاب دوم ص ۵۳۷) امره رسول الله بالصلوه بالناس وهو حی (شرح نہج البلاغہ ج ا ص 54) فلما اشتد به المرض امر ابابکر ان یصلی بالناس--- و ان ابابکر صلی بالناس بعد ذلك یومین (شرح نہج البلاغہ درہ نجفیہ ص ۲۲۵)

(2) ویابی الله والمومنون الا ابابکر (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳) شیعہ حضرات کے مشہور محدث ملا یعقوب الکلینی (۳۲۸) لکھتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری وفات ہو جائے تو لوگ ابو بکر کی بیعت کریں

جب حضور ﷺ کی وفات ہو گئی تو حضرت علیؓ نے فرمایا: کہ دیکھو، نماز دین کی بنیاد ہے، ہم اپنی دنیا کے لیے کس کو چنیں؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا ہم اپنی دنیا کے لیے اس کو چنیں جس کو اللہ کے پیغمبر ﷺ نے ہمارے دین کے لیے چنا ہے[1]۔

نماز دین کی چیز ہے اور خلافت انتظامی چیز۔ تو حضرت علیؓ مرتضیٰ نے فرمایا کہ ہم اپنی دنیا کے لیے اس پر راضی ہو گئے جس پر اللہ کے پیغمبر ﷺ ہمارے دین کے لیے راضی ہوئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام نے بالاتفاق خلیفہ چن لیا تو نبی پاک ﷺ نے تو اپنے بعد کے لیے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اگر آپ ﷺ کسی کو خلیفہ بنائیں تو پھر وہ امت کے سامنے جوابدہ نہ ہو گا۔ اگر حضور ﷺ کسی کو بتاتے ہیں کہ یہ میرے بعد خلیفہ ہے تو ان پر کسی نے کوئی اعتراض کرنا ہو تو کسی کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ نہ۔ کیوں کہ وہ حضور ﷺ کا بنایا ہوا ہے۔ لیکن حضور ﷺ لوگوں کو اس حال میں چھوڑنا چاہتے تھے کہ اگر ان پر عوام کی طرف سے کوئی سوال آئے تو وہ کہہ سکیں کہ آپ جواب دیں اور ان کو جواب دینا پڑے۔ آپ نے یہ مشہور قصہ سنا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لمبی قمیض پہنی ہوئی ہے اور ایک شخص اٹھ کر کہتا ہے کہ ہر ایک کو یمن کی ایک چادر ملی تھی تو آپ کو یہ دو چادریں کیسے مل گئیں جن سے یہ کرتا بنا؟ کیونکہ لمبے کرتے کو ایک چادر سے زیادہ کپڑا لگا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کی جانب اشارہ کیا، عبد اللہ بن عمرؓ کی جانب۔ انہوں نے کہا کہ جو چادر میرے حصے کی تھی وہ میں نے اپنے باپ کو دے دی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنی صفائی پیش کی ہے نا؟ تو صفائی پیش کرنے کی ضرورت کیوں ہوئی کیونکہ

گے (فروع کافی کتاب الروضہ ص ۱۶۰ مطبوعہ لکھنو)

(1) عن قيس بن عباده قال لي علي بن ابي طالب ان رسول الله ﷺ مرض ليالي واياما ينادي بالصلوه فيقول مردا ابا بكر يصلي بالناس فلما قبض رسول ﷺ نظرت فاذا الصلوه علم السلام و قوام الدين فرضينا لدنيانا من رضي رسول ﷺ لدينا (الاستیعاب لابن عبد البر تحت الاصابہ ج ۲ ص ۲۴۲)۔ فقال علي والله لانقيلك ولا نستقيلك قلمك رسول الله ﷺ في الصلوه فمن يوخرك؟ (انساب الاشراف بلاذری ج ۱ ص ۵۸۷۔ ریاض النضرہ لمحب الطبری ج ۱ ص ۲۲۹)

امت نے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا تھا، امت نے ان کی بیعت کی تھی پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ تو حضور ﷺ چاہتے تھے کہ خلیفہ ایسا ہو جو قوم کے سامنے جوابدہ ہوا کرے۔ اگر میں کسی کو مقرر کر گیا تو وہ قوم کے سامنے جوابدہ نہیں ہو گا۔ وہ کہے گا مجھے تو اللہ کے پیغمبر نے مقرر کیا ہوا ہے، تم کون ہو سوال کرنے والے؟ تو یہ آنحضرت ﷺ کی اس میں حکمت تھی اور آپ ﷺ کی سیاست تھی کہ آپ ﷺ نے اس طرح حالات چھوڑے کہ جو بھی خلیفہ ہو وہ قوم کے سامنے جوابدہ ہو اور خود قوم نے اس کو آگے کیا ہو۔

خاتم النبیین ﷺ نے امورِ سلطنت کے لیے کسی کو نامزد نہیں کیا

اس لیے نبی پاک ﷺ نے کسی کو امورِ سلطنت کے لیے نامزد نہیں کیا۔ نماز کے لیے کیا! کیونکہ اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھیے کہ حضور ﷺ نے سلطنت کے لیے، خلافت کے لیے، امارت کے لیے اور امامتِ کبریٰ کے لیے کسی کو مقرر نہیں کیا۔ یہودیوں نے مل کر ایک افسانہ تراشا کہ حضور ﷺ نے ایک تالاب کے کنارے حضرت علیؓ کو اپنا سیاسی جانشین بنایا تھا۔ تو یہ جو کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا نائب بنایا، یہ غلط ہے۔ شیعہ بڑے اہتمام سے اس بات کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ غدیرِ خُم پر حضور ﷺ نے جانشین بنایا۔ اب Common Sense (ادراکِ عام) یہ سوال کرتی ہے کہ اگر حضور ﷺ نے کسی کو جانشین بنانا تھا تو عرفات کا میدان اس کے لیے مناسب تھا یا راستے کے ایک تالاب کا کنارہ۔ بھائی! جب بہت بڑا اجتماع ہے اور سالانہ اجتماع ہے اور ہر علاقے کے مسلمان وہاں پہنچے ہوئے ہیں اور تاریخی دن ہے تو وہاں اعلان کرنا چاہیے تھا یا رستے کے ایک تالاب کے کنارے اعلان کرنا چاہیے تھا؟ یہ آپ خود سوچیں!

آیتِ تکمیلِ دین کب نازل ہوئی؟

اب اِن پر ایک یہ سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ دین ہمارا مکمل ہوا ۹ تاریخ کو۔ ذوالحج کی ۹

تاریخ تھی۔ تو ۹ ذوالحج کو اللہ کے نام پر حضور ﷺ نے کہا کہ ہمارا دین مکمل ہے۔ اس کے بعد کوئی آیت ایسی نہیں اتر سکتی جو دین کے کسی اصولی مسئلے کو بیان کرے۔ شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلسلۂ امامت قائم کیا۔ اور بارہ امام خدا کے مقرر کردہ باری باری آئے۔ تو ان سے پوچھا جائے کہ یہ امامت کا مسئلہ اصولی اور بنیادی مسائل میں سے ہے یا ایک انتظامی چیز ہے؟ ہمارے نزدیک خلافت انتظامی مسئلہ ہے آسمانی نہیں۔ مسلمانوں کو اپنے نظم مملکت کے لیے کوئی نہ کوئی نظام بنانا ہے تو وہ امت کا حاکم چنیں۔ خلیفہ چُنیں۔ امیر چُنیں اپنا ہیڈ چُنیں۔ یہ انتظامی مسئلہ ہے آسمانی مسئلہ نہیں! جبرائیل امین جب آخری بار زمین پر خدا کا پیغام لے کر آئے تو کہا کہ یہ میرا آخری دفعہ زمین پر آنا ہے۔ اس کے بعد کسی پیغام کے ساتھ مجھے زمین پر نہیں اترنا[1] اگر امام بھی خدا کے مقرر کردہ تھے تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام کا اس طرح کہنا کسطرح درست ہو سکتا ہے۔

خدا کی برکتیں لے کر اترنا، لیلۃ القدر میں اترنا، رمضان کی راتوں میں اترنا۔ وہ اور بات ہے۔ لیکن خدا کا پیغام لے کر زمین پر اترنا، آج یہ میرا آخری مرتبہ اترنا ہے۔ اس کے بعد پھر نہیں۔ تو خدا کی طرف سے جو ہدایات ملتی ہیں ان کو ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ آسمانی ہدایات ہیں۔ رہی حکومت اور خلافت، تو یہ انتظامی چیز ہے نہ کہ آسمانی۔ نبی پاک ﷺ بحیثیت نبی کے تو آسمانی ہدایات کے علمبردار تھے۔ لیکن بطور امیر ریاست وہ انتظامی طور پر زمینی کاموں کو بھی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کی جب وفات ہو گئی تو وفات ہونے کے بعد اب کسی نئی آسمانی ہدایت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آسمانی ہدایت؛ کتاب اور سنت کی شکل میں موجود تھی باقی صرف انتظامی بات تھی۔ اس انتظامی بات کے لیے شیعوں نے خود جو تاریخ تجویز کی ہے وہ تاریخ ہے ۱۸ ذوالحج۔ یعنی حج کے بعد مسلمانوں کا قافلہ (مدینے والوں کا یہ وفد) واپس آرہا تھا۔ جب واپس آرہا تھا تو رستے میں

(1) هٰذا آخر موطئي في الارض (رواہ بیہقی۔ ماخوذ از وعظ المورد الفرخی ص ۱۴۹ حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

غدیر خم پر اعلان کیا۔ ہم اِن سے پوچھتے ہیں کہ اُس دن تاریخ کیا تھی؟ تو امام باقر کے بیان کے مطابق وہ تاریخ تھی ۱۸ ذوالحج۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اُس دن ہمارا دین مکمل ہوا خلافت کے ساتھ ۱۸ تاریخ کو۔ اور ہم اہلِ سنّت والجماعت کہتے ہیں کہ ہمارا دین مکمل ہوا ۹ تاریخ کو۔ اب ۹ کو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ تو دین مکمل ہوا ۹ کو۔ اگر خلافت کا مسئلہ یا نظمِ حکومت کا مسئلہ کوئی بنیادی مسئلہ ہوتا تو وہ ۹ تاریخ سے پہلے ہوتا ۹ کے بعد نہیں۔ یہ جو ۹ کے بعد کی کاروائی ہے یہ دینی نہیں ہے! یہ کوئی اتفاقی مسئلہ تھا جو راستے میں پیش آگیا اور حضور ﷺ نے دونوں کیں ان الفاظ سے صلح کروادی کہ جو علیؓ کو دوست نہ رکھے میں بھی اس کا دوست نہیں (اگر یہ حدیث صحیح ہو)۔

شیعوں کی جوابی کاروائی

شیعوں نے اس سوال پر یہ بات بنائی ہے [1] کہ یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ دو دفعہ اتری ہے۔ ایک دفعہ ۹ کو، ایک دفعہ ۱۸ کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض آیتیں واقعی دو دفعہ اتری ہیں۔ سورہ فاتحہ دو دفعہ نازل ہوئی تھی۔ تو شیعہ کہتے ہیں کہ ۹ ذو الحج کو یہ آیت اتری پھر ۱۸ ذوالحج کو یہ آیت پھر اتری۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ جو لفظ ہے نا 'آج' اس میں وقت کی قید ہے۔ سورہ فاتحہ میں کوئی وقت کا تعیّن نہیں ہے۔ الحمد للہِ ربِّ العالمین۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا۔ یہ دس دفعہ بھی کہو تو ٹھیک ہے بیس دفعہ بھی کہو تو ٹھیک ہے۔ اس میں وقت کی کوئی قید نہیں۔ تو جس میں وقت کی کوئی قید نہیں وہ تو دس دفعہ بھی اترے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن جس میں وقت کی قید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ آج میں نے تمہارا دین مکمل کیا۔ تو وہ تاریخ تھی ۹ ذوالحج کی۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے دین ۹ کو مکمل کیا پھر خدا تعالیٰ کہتا ہے ۱۸ کو کیا تو یا پہلی بات جھوٹ ہو گی یا بعد کی۔ کیونکہ جو خبر دی جائے بقیدِ وقت وہ ایک دفعہ

(1) كما زعمه الخليل القزويني في الصافي بشرح اصول الكافي.

ہی ہو سکتی ہے۔ آپ کے پاس ایک خط آیا۔ آپ نے کہا کہ یہ خط میرے پاس منگل کو آیا۔ اس کے بعد آپ کہیں کہ نہیں یہ خط میرے پاس جمعرات کو آیا تو کیا سننے والا آپ کو معاف کرے گا؟ نہیں! جو چیز بقیدِ وقت ہو اس میں دہراؤ نہیں ہوتا۔ منگل کو مجھے خط آیا، یہ بقیدِ وقت ہے۔ اب اس کو ہم دہرا کے کہیں کہ نہیں جمعرات کو آیا تو یہ بات غلط ہو گی۔ تو اللہ جلّ شانہ نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کہہ کر ارشاد فرمایا کہ آج میں نے دین مکمل کیا اور تاریخ تھی ۹۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ۱۸ کو خدا پھر کہے کہ نہیں، آج مکمل کیا ہے۔ یا پہلی بات غلط ہو گی یا پچھلی غلط ہو گی۔ اس پر شیعہ نے اپنے دعوے کی بنا رکھی ہے کہ علیؓ کی خلافت پر تقرری غدیر خم کے مقام پر ہوئی تھی اور کہا گیا کہ میرے بعد میرا جانشین علیؓ ہو گا۔ حالانکہ بات اس طرح نہ تھی۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ نے یہ خود کیوں نہیں کہا؟

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی جب وفات ہوئی تو علیؓ مرتضیٰ نے خود کیوں نہیں کہا کہ مجھے اللہ کے پیغمبر نے خلیفہ مقرر کیا ہے یا خدا نے مجھے امام بنایا ہے؟ خود ابو بکرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا تو اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کو دورِ خلافت آیا تو اُن کے پیچھے بھی نمازیں پڑھتے رہے۔ حضرت علیؓ نے تو اس تمام عرصہ میں ان تینوں ہی سے تعاون کیا اور کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ حضور ﷺ کا خلیفہ اور جانشین میں ہوں! اب حضرت علیؓ تو اعلان نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ نہیں! حضور ﷺ نے اِن کو خلیفہ بنایا تھا۔ اس کو عام زبان میں کہتے ہیں 'مدعی سست گواہ چست'۔ کہ جسے اپنا دعویٰ پیش کرنا ہے وہ تو سست ہے، وہ کچھ نہیں کہتا اور گواہ اتنا چست ہے کہ بار بار کہہ رہا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ مدعی سست گواہ چست۔ یہ بات عقل میں نہیں آئی۔ ذہن باور نہیں کرتا۔ اگر حضرت علیؓ کو حضور ﷺ نے یا اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہوتا تو وہ پوری زندگی میں ایک دفعہ تو کبھی اعلان کر دیتے تاکہ مجھے اللہ نے امام مقرر کیا ہے۔ وہ تو خلفائے ثلاثہ کے پیچھے نمازیں ادا کرتے

رہے اور تمام سیاسی امور میں ان سے تعاون کرتے رہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو مقرر کیا ہے۔ آپ کی خلافت منصوص ہے۔[1]

خلافت تجویز کرنے کا ایک اور موقع

پھر یہ بھی ایک بات بنائی کہ غدیر خم سے جب آپ ﷺ مدینہ آگئے اور مدینہ آکر آپ ﷺ بیمار ہوئے تو بیماری کے دنوں میں آپ ﷺ نے کہا کہ قلم دوات لا دو میں کچھ لکھ دوں۔ لاؤ میرے پاس تم قلم اور کاغذ میں تمہیں کچھ لکھ دوں میرے بعد پھر تم گمراہ نہیں ہو گے۔ روایت یہ تھی کہ آپ نے آخری وقت میں کاغذ، قلم اور دوات طلب فرمایا۔ اس میں حضور ﷺ تین باتوں کی وصیت کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ تینوں باتیں حدیث میں ہیں۔ پہلی بات یہ کہ حضور ﷺ فرمانا چاہتے تھے اے میرے ساتھیو! جس طرح میں دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے وفدوں کو آنے کی اجازت دیتا تھا اور بین الاقوامی سطح پر گفتگو کرنے کا موقع دیتا تھا، میرے بعد بیرونی ممالک کے سفیر تمہارے پاس آئیں گے۔ بیرونی ممالک کے نمائندے تمہارے پاس آئیں گے تم ان کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات قائم رکھنے کے لیے ان کو آنے کی اُسی طرح اجازت دینا جس طرح میں اجازت دیتا رہا۔[2]

اسلام یہ نہیں سکھاتا کہ تم چھپے رہو۔ ایک ہی جگہ پر رہو۔ نہ۔ یہ نہیں۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ نہیں! تم پھیلو! جتنے تم رابطے زیادہ قائم کرو گے اتنی ہی خدا کی آواز زیادہ وسیع

---

(1) شیعہ مترجم مولوی مقبول احمد دہلوی لکھتا ہے کہ: پھر آپ (یعنی حضرت علیؓ) اُٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابو بکرؓ کے پیچھے نماز میں کھڑے ہو گئے (ضمیمہ ترجمہ مقبول ص ۴۱۵)۔
ثم قام و تهيا للصلوه و حضر المسجد و صلى خلف ابى بكر (احتجاج طبرسی ص ۵۳) ملا باقر مجلسی نے بھی مراۃ العقول فی شرح الفروع والاصول میں اس کی تائید کی ہے (دیکھیے ص ۳۸۸) شیخ الطائفہ شیخ طوسی تسلیم کرتا ہے کہ حضرت علیؓ کا حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھنا مسلمات میں سے ہے (تلخیص الشافی ص ۳۵۴)

(2) اشتد برسول الله صلى الله عليه و سلم و جعه يوم الخميس فقال ائتونى بكتاب اكتب لكم كتابا لن تضلوا ابدا— واوصى عند موته بثلاث اخرجو المشركين من جزيره العرب و اجيزوا الوفد بنحو ما كنت اجيزهم (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۹)

رقبے میں پھیلے گی۔ پہلی نصیحت یہ ہے۔ اور دوسری نصیحت حضور ﷺ نے یہ فرمائی؛ یہودیوں پر اعتبار نہ کرنا۔ ان کا اعتبار نہ کرنا۔ پورے جزیرہ عرب میں یہودی نہ رہنے پائیں۔ یہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اور جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو مدینہ منورہ میں بھی یہود تھے۔ یہ یہود حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں نکالے۔ آپؓ نے کہا کہ میرے آقا وصیت کر گئے تھے کہ یہاں مشرکین اور یہودی نہ رہنے پائیں۔[1]

تو جتنے یہودی مدینہ میں رہتے تھے سب کو کہا کہ اپنے سامان باندھ لو۔ ہم تمہیں تمہارے سامان کا معاوضہ دیں گے۔ اسلام زبردستی کسی سے نہیں کرتا۔ نہ کسی کی املاک پر قبضہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے یہ فرمایا کہ تم اپنی تیاری کر لو اور یہاں سے نکلو۔ اور پھر یہودی خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور جتنی بھی ان کی چیزیں تھیں، ایک ایک کے صلے میں ان کو قیمت ادا کی گئی۔ تو آپ کی نصیحت یہ تھی کہ بیرونی وفود کو تم ٹھہرانا، ان کو واپس نہیں لوٹانا۔ اور دوسری نصیحت یہ تھی کہ یہودیوں کو تم جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ تیسری یہ کہ میرے بعد میری قبر کو سجدہ گاہ نہیں بننے دینا۔ کہ عقیدت و محبت میں لوگ آئیں اور سجدے کرتے رہیں۔ جس پیغمبر نے اپنی پوری زندگی توحید میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں بسر کی اس کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میری قبر کو معبود نہ بنانا کہ اس کی عبادت کریں[2]۔ یہ تین باتیں ہیں جن کی وصیت کی۔ بعض روایات میں پہلی بات یہود کو نکالنے کی تھی۔

شیعہ کا اس وصیت سے انکار

شیعہ ان باتوں کو نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ آپ نے جو قلم دوات طلب کیا، آپ ﷺ علیؓ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے۔ ہم نے کہا کہ اگر علیؓ کی خلافت لکھوانی تھی تو بھی

---

(1) امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ باب باندھا ہے: باب اخراج الیھود من جزیرہ العرب صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴۹۔

(2) قال القاضی عیاض و یحتمل انھا قولہ صلی اللہ علیہ و سلم لا تتخذوا قبری و ثنا یعبد (نووی شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۳)

کم از کم یہ مان لو کہ غدیر خم پر خلافت کا کوئی اعلان نہیں ہوا تھا۔ تبھی تو وصیت کی ضرورت محسوس ہوئی اور اگر وہاں اعلان ہو چکا تھا اتنے لوگوں میں، عام لوگوں میں اعلان ہو چکا ہے تو پھر یہاں وصیت کی کیا ضرورت تھی؟ اگر وصیت یہاں آپ ﷺ نے کرنا تھی تو وہاں آپ ﷺ نے کوئی اعلان نہیں کیا۔ اور اگر وہاں اعلان ہو گیا تھا تو یہ خلافت کی وصیت نہیں کوئی اور بات ہو گی۔ لیکن یہ شیعہ آیت اللہ بھی عجیب ہیں، ایک طرف کہتے ہیں کہ غدیر خم پر آپ ﷺ نے اعلان کیا تھا اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ نہیں وہ قلم دوات مانگ رہے تھے تاکہ خلیفہ تجویز کریں۔

لکھنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

یہ قلم دوات کا قصہ ہے (اس کو حدیثِ قرطاس کہتے ہیں)۔ یہ بہت سے لوگوں کے لیے بڑی آزمائش بنا ہوا ہے۔ شیعہ لوگوں نے جب بھی اپنے عقیدے کا پروپیگنڈا کرنا ہو تو یہ لوگ یہی کہتے ہیں اور پھر لوگ ہم سے آکر پوچھتے ہیں کہ جی قلم دوات مانگا تھا۔ اب آپ ہی غور فرمائیں کہ لکھنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ حکومتوں میں لکھنے کی ذمہ داری کس پر ہوتی ہے؟ اور ملکی سطح ہو تو آخر کوئی چیف سیکرٹری ہوتا ہے۔ تو اُس وقت لکھنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی تھی؟ چیف سیکرٹری پر! حضور ﷺ نے اگر آخری وقت میں قلم دوات مانگا تھا تو قلم دوات لانے اور پیش کرنے کی ذمہ داری کس پر آتی ہے؟ چیف سیکرٹری پر! تو مسلمانوں کو اور پڑھے لکھے نوجوانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ کا چیف سیکرٹری کون رہا ہے؟ حضور ﷺ کے لکھنے کے امور میں چیف سیکرٹری حضرت علیؓ تھے!

اس لیے بھی کہ عربوں کا مزاج یہ تھا کہ اگر باپ میدان میں آکر کوئی بات کرتا ہے تو پھر اُس کو سیکنڈ اُس کے بیٹے کرتے تھے۔ عرب عادتاً نسل پرست جو ٹھہرے۔ تو حضرت علیؓ حضور ﷺ کے سیکرٹری بنائے گئے۔ اس لیے بھی کہ وہ آپ کے خاندان؛ بنو ہاشم کے فرد تھے اور آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ سو حضور ﷺ کے سیکرٹری حضرت علیؓ تھے۔ حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ حضور ﷺ سربراہ تھے لیکن اُن کے

سیکرٹری حضرت علیؓ تھے۔ تو معاہدہ کس نے لکھا تھا؟ حضرت علیؓ نے! جب یہ بات ذہن میں آگئی تو یہ بات بھی یاد رکھیں کہ حضور اکرم ﷺ کے چیف سیکرٹری، لکھنے پڑھنے میں، قلم دوات کے، ان ساری باتوں کے انچارج حضرت علیؓ تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے چیف سیکرٹری حضرت عثمانؓ تھے۔ اور پھر اُن کے بعد دور آیا حضرت عمرؓ کا تو حضرت عمرؓ نے اپنا چیف سیکرٹری حضرت علیؓ کو بنایا تھا۔ تو اگر حضرت علیؓ کو حضور ﷺ نے خلیفہ نامزد کیا ہوتا اور حضرت عمرؓ نے زبردستی قبضہ کیا ہوتا تو جس کا حق چھینا ہو اس کو کبھی اپنا قائم مقام بنایا جاتا ہے؟ حضرت عمرؓ جب باہر جاتے سفروں میں جاتے تو آپ نے کئی مرتبہ حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنایا۔ کوئی مخالف کو جانشین نہیں بناتا۔ معلوم ہوا یہ بات حضرت علیؓ کے ذہن میں ہرگز نہ تھی کہ یہ میرا حق ہے اور نہ حضرت عمرؓ کے ذہن میں تھی کہ یہ اِس کا حق ہے۔ آنحضرت ﷺ کا سیکرٹری کون تھا؟ حضرت علیؓ۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے سیکرٹری حضرت عثمانؓ تھے، حضرت عمرؓ کے سیکرٹری پھر حضرت علیؓ۔ تو حضرت علیؓ جب حضور ﷺ کے سیکرٹری تھے اور حضور ﷺ نے قلم دوات مانگا تھا تو قلم دوات دینے کی اور لانے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی تھی؟ حضرت علیؓ پر تو شیعہ یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو قلم دوات نہیں دیا گیا تو ہم اُن سے کہتے ہیں کہ بھائی دینا تو حضرت علیؓ کے ذمے تھا نام لے کر کہو انہوں نے کیوں نہیں دیا؟ ان کے ذمے یہ بات لگاؤ کہ انہوں نے نہیں دیا۔

قلم دوات طلب کرنے کی ایک اور روایت

امام جعفر روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھے حکم دیا تھا نبی کریم ﷺ نے کہ میں کوئی کاغذ لے کر اُن کے پاس جاؤں اور آپ اس پر کچھ لکھیں۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ مجھے ڈر تھا اگر میں گیا تو حضور ﷺ کی روح میری عدم موجودگی میں نہ نکل جائے اور آپ کی وفات کے وقت میں سامنے نہ ہو پاؤں۔ مجھے ڈر اس بات کا لگا کہ آپ کی وفات میری عدم موجودگی میں نہ ہو جائے۔[1]

---

(1) عن علی بن ابی طالب قال امرنی النبی صلی الله علیه وسلم ان اتیه بطبق یکتب فیه

اس لیے میں قلم دوات لینے نہیں گیا۔ یہ کون کہتے ہیں؟ حضرت علیؓ! آپ تو یہ بات صاف کہتے ہیں لیکن اِن کے نام لیوا یہ کہتے ہیں کہ نہیں جی خلافت کا فیصلہ لکھوانا تھا۔ اور یہ حضرت علیؓ کو دی جانی تھی۔ ہم پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ خلافت کا فیصلہ لکھوانا تھا؟ لیکن اگر لکھوانا ہی تھا تو کم از کم اتنی بات تو مانو کہ غدیر خم پر کوئی اعلان نہیں ہوا تھا۔ اور پھر آپ نے اگر قلم دوات مانگا اور آپ کو قلم دوات نہیں دیا گیا تو اس کی ذمہ داری کس کے سر رہی؟ اور پھر یہ کہ اس کے بعد آپ کتنا عرصہ زندہ رہے؟ جب آپ کو قلم دوات نہیں دیا گیا تو اس کے بعد آپ ﷺ دو دن زندہ رہے! تو سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دوسری دفعہ پھر کیوں نہیں مانگا؟ اگر آسمانی طور پر آپ ﷺ اس پر مامور تھے تو ایک اور دن آپ ﷺ نے جو گزارا تو اُس وقت کیوں نہیں فرمایا کہ قلم دوات لا دو۔ تو یہ ایک بالکل فرضی بات بنائی گئی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنا جانشین نامزد کرنا تھا یا پہلے کر دیا تھا۔

حضور ﷺ کی عام عادت سے استدلال

ایک بات اور بھی آپ یاد رکھیے وہ یہ کہ شیعہ اس اعتراض کے وقت کبھی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کی عادت تھی کہ جب دو چار دن کے لیے کسی جگہ جائیں یا مدینہ سے مکہ آئیں تو دو چار دن کے لیے بھی جب جاتے تو آپ ﷺ جانشین مقرر کر کے جاتے۔ اس پر سوال کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کی عادت تھی کہ دو چار دن کے لیے بھی جائیں تو جانشین مقرر کر کے جائیں تو کیا وجہ تھی کہ جب آپ ﷺ سفر آخرت پر گئے جس کے بعد آنا نہیں تو آپ ﷺ نے جانشین مقرر کیوں نہ کیا؟ بڑے سفر پر جو گئے تو آپ ﷺ کو بڑے اہتمام سے جانشین مقرر کرنا چاہیے تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ

ما لا تضل امته من بعده قال فخشيت ان تفوتني نفسه قال قلت اني احفظ واعي قال اوصي بالصلوه والزكوه و ما مالكت ايمانكم (مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۵)

ہے کہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں جب جاتے دو دن کے لیے، کہیں ایک دن کے لیے تو حضور ﷺ کو پتہ ہوتا تھا کہ میں نے واپس آنا ہے بلکہ آپ ﷺ کو یقین ہوتا تھا کہ اگر کوئی ایک بات غلط ہو جائے، کوئی گڑبڑ ہو جائے تو میں آکر اصلاح کر دوں گا۔ تو حضور ﷺ کو جب یہ یقین تھا کہ میں آکر اصلاح کر دوں گا تو آپ ﷺ ایک دن کے لیے بھی گئے یا دو دن کے لیے بھی گئے تو جانشین مقرر کر کے گئے کیوں کہ کوئی خدشہ نہیں تھا کہ اگر جانشین کوئی غلطی کرے تو کیا ہوگا۔ کیوں کہ حضور ﷺ کو امید ہوتی تھی کہ میں واپس آؤں گا۔ لیکن جس سفر اور لمبے سفر کے بعد پھر آنا نہیں اس کے لیے حضور ﷺ کیسے جانشین کسی کو مقرر کریں؟ اس لیے کہ اگر جانشین مقرر کریں اور وہ اپنی بات پر اڑ جائے تو کیا اس کے لیے اپنی جانوں کو تلف کرنا جائز ہوگا؟ ہرگز نہیں!

امیر مقرر کرنے کا ایک واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مرتبہ ایک امیر مقرر کیا تو وہ امیر جب قافلہ لے کر نکلا تو ایک جنگل میں جا کر اُس نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ دیکھو میں تمہارا امیر ہوں اور حضور ﷺ نے کہا ہے کہ۔۔۔ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ تو اُس امیر نے یہ حدیث پڑھ کر سنائی اور پوچھا کہ دیکھو کیا میں تمہارا امیر ہوں؟ انہوں نے کہا بیشک! تو امیر نے کہا کہ یہ جو درخت ہیں ان کی لکڑیاں کاٹو! سب صحابہ رضی اللہ عنہم لکڑیاں کاٹنے لگے اور اُن لکڑیوں کو ایک ترتیب دے کر گھاس پھوس رکھ کر اُس نے بطور امیر حکم دیا کہ اب ان کو آگ لگا دو! تو جب آگ لگائی گئی شعلے بھڑکنے لگے، تو اُس امیر نے پھر کہا! دیکھو میں رسول ﷺ کا قائم کردہ امیر ہوں، تو تم اس طرح کرو کہ اب اس آگ میں کود جاؤ! تو آگ میں کودنا کیا تھا؟ موت ہی تھی نا؟ تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں بات آئی کہ ہم نے تو اِس پیغمبر ﷺ کو مانا تھا آگ سے بچنے کے لیے، تو اِس کو مان کر بھی آگ ہی ہے؟ ہم نے پیغمبر ﷺ کو مانا تھا آگ سے بچاؤ کی خاطر اور پھر بھی آگ ہے؟ تو چلو ہم حضور ﷺ سے پوچھ ہی کیوں نہ لیں؟ تو نبی پاک ﷺ کے پاس پھر آئے کہ جی یہ

صورت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اُس آگ میں داخل ہو جاتے پھر کبھی نہ نکلتے۔ تم نے اچھا کیا جو پوچھا۔ میرا مقرر کردہ امیر وہی باتیں کہے جو میری شریعت سے ثابت ہیں پھر تو ٹھیک ہے اور اگر غلط کہے تو اس کی یہ بات نہیں ماننی۔ کسی کو امیر ماننا اِسی طرح ہے جیسے کسی کو امام ماننا۔ تو اگر امام نماز میں غلطی کرے ایک رکعت کم یا زیادہ کر دے تو پیچھے والے لقمہ دیتے ہیں۔ تو اگر وہ امیر غلط کرے تو لقمہ دو۔ تو فرمایا کہ اگر تم اُس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی نہ نکلتے۔ پھر تمہارا ٹھکانہ جہنم تھا۔ (1)

امیر کسی طرح بھی معصوم نہیں ٹھہرتا

معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیغمبر کا مقرر کردہ امیر بھی ہو اس پر بھی عصمت کا سایہ نہیں ہوتا۔ وہ معصوم تو نہیں۔ معصوم تو صرف پیغمبر ہیں۔ اس لیے ان کی بات پیغمبر کی بات کی روشنی میں پرکھی جائے گی۔ حضور ﷺ سے جب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا آگ میں چھلانگ لگانا غلط تھا۔ تو نبی پاک ﷺ اگر کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ کوئی ایسی بات کہے اور پوچھا جائے اس سے تو وہ کہے کہ میں تو نبی ﷺ کا مقرر کردہ ہوں تم کون ہو سوال کرنے والے؟ تو رحمۃ للعالمین ﷺ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا، دانائی کا یہ تقاضا ہوا کہ آپ ﷺ نے خلیفہ کسی کو بنایا کسی کو نہیں بلکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جب مصلّے امامت پر کھڑا کیا تو آپ ﷺ نے خود نہیں کہا کہ ابو بکرؓ جاؤ نماز

---

(1) عن علی قال بعث النبی صلی اللہ علیہ و سلم سریہ فاستعمل رجلا من الانصار و امرھم ان یطیعوہ فغضب قال الیس امرکم النبی صلی اللہ علیہ و سلم ان تطیعونی قالوا بلی قال فاجمعوا لی حطبا فجمعوا فقال او قدوا نارا فاوقدوھا فقال ادخلوھا فھموا و جعل بعضھم یمسک بعضا و یقولون فررنا الی النبی صلی اللہ علیہ و سلم من النار فمازالوا حتی خمدت النار فسکن غضبہ فبلغ النبی صلی اللہ علیہ و سلم فقال لو دخلوھا ماخرجوا منھا الی یوم القیامہ الطاعۃ فی المعروف (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۲)

عن علی کرم اللہ وجھہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لا طاعۃ لبشر فی معصیہ اللہ تعالیٰ (روح المعانی ج ۵ ص ۶۶)۔

پڑھاؤ! مسلمانوں کو کہاکہ ابو بکرؓ کو کہو کہ نماز پڑھائے۔ خود نہیں کہا۔ اشارہ اس طرف تھاکہ کل کا فیصلہ بھی تم نے خود کرنا ہے۔ تمہیں اشارہ دے رہا ہوں کہ اب تم ان کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ جب وہ تمہارا مقرر کردہ ہو گا تو پھر کل کا فیصلہ تم درست کر سکو گے۔ مُروا أبابکر فلیصل بالناس۔

اسلام میں خلیفہ منصوص نہیں

نبی پاک ﷺ نے اپنے بعد کسی کو جانشین نہیں بنایا۔ شیعہ اسی پر اپنے سارے عقائد کا سارا دارومدار رکھتے ہیں کہ جی حضرت علیؓ کو بنایا۔ تو ایک بات ضرور ذہن میں آنی چاہیے کہ جی اگر بنایا تو حضرت علیؓ نے دعویٰ کیوں نہیں کیا؟ کیوں اعلان نہیں کیا کہ بھئی مجھے حضور ﷺ نے خلیفہ بنایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ڈرتے رہے تھے۔ اچھا اگر وہ ڈرتے تھے تو تم بھی ڈرو! اپنے پیر کی تابعداری تو تبھی ہو گی ناکہ تم بھی ڈرو۔ اگر وہ ڈرتے تھے اور تم اُن کے پیرو ہو تو تم بھی ڈرو۔ اب یہ کہہ دیناکہ حضرت علیؓ نے کیا اعلان نہیں کیا تھا؟ یہ کافی نہیں! اعلان وہ ہوتا ہے جو موقع کے مطابق ہو۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی خلافت کا اعلان نہیں کیا بلکہ آپؓ تینوں خلافتوں کو باری باری مانتے رہے۔ اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ اور اعلان ایک دفعہ بھی نہیں کیا کہ مجھے خدا کے پیغمبر ﷺ نے مقرر کیا ہوا ہے۔ سو یہ ساری سازش بنائی ہوئی ہے یہودیوں کی۔ یہودنہ چاہتے تھے کہ سب مسلمان ایک ہو کر رہیں وہ اِن میں تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے اور یہ اُنکی ایک ضرورت تھی۔ عبداللہ بن سبا اسی ضرورت کے ساتھ مسلمانوں میں داخل ہوا اور اس نے اپنے کام کا آغاز حضرت عثمانؓ کے خلاف پروپیگنڈے سے کیا (جس طرح برِ صغیر میں ہری چند ولد دیوان چند، قوم کھتری، سکنہ علی پور چٹھہ، ضلع گوجرانوالہ ایک ضرورت کے پیشِ نظر مسلمانوں میں داخل ہوا اور اُس نے اپنے کام کا آغاز حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف مخالفتِ حدیث کے الزام سے شروع کیا)۔

جس طرح ابنِ سبا کے نقشِ قدم پر ایک پوری تحریک چل رہی ہے ٹھیک اُسی طرح ہری چند کے نقشِ قدم پر بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف برابر کام ہو رہا ہے۔ بہر حال،

حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ابنِ سبا کو زندہ جلا دیا۔[1]

اب مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کا پیغمبر کے بعد جو بھی نظامِ حکومت ہو گا وہ اُن کا اپنا بنایا ہو گا۔ وہ حکومت بنانے اور اسے چلانے کا ہو گا، یہ کوئی قانون ساز ادارہ نہ ہو گا جو کہیں سے رہنمائی حاصل کرے۔

اسلام میں حکومت کس طرح بنائی جائے؟

حکومت کس طرح بنائی جائے گی؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا جو اصول ہمیں بتایا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات اور مسلمانوں کا نظامِ حکومت وہ کس طرح طے کریں؟ فرمایا: آپس میں مشورے سے! **امرھم شوریٰ بینھم**۔ اگر کسی کو مقرر کیا ہوا ہو اس کو کہتے ہیں منصوص، اور اگر مقرر کیا ہوا نہ ہو، تو پھر ہے چنا ہوا (Elected)۔ چناؤ شوریٰ کے ساتھ، مشورے کے ساتھ۔ سو حکومت بنانے کے دو ہی طریقے ہیں۔ اور نبی پاک ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کی ایک جھلک دکھا بھی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا آخری دور تھا کہ آپ ﷺ نے غزوہ موتہ کی طرف ایک مہم بھیجی۔ اور کہا کہ میں جو اس مہم کو روانہ کر رہا ہوں مسلمانوں کے امیر یہ ہوں گے: زید۔ اگر زید شہید ہو جائیں تو پھر امیر ہوں گے جعفر، حضرت علیؓ کے بھائی۔ اور اگر جعفرؓ بھی شہید ہو جائیں تو امیر ہوں گے عبداللہ بن رواحہؓ۔ تو میں اس مہم میں تین امیر: زید بن حارثہؓ، جعفرؓ بن ابی طالب، اور

---

(1) عن عکرمہ قال اتی علی بزنادقه فاحرقهم (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۳) یہ زنادقہ کون تھے؟ هم طائفه من الروافض تدعی السبائیه ادعوا ان علیا اله و کان رئیسهم عبدالله بن سبا (کتاب التبصره لابی المظفر الاسفرایا حاشیه بخاری) ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قوم من السبائیه اصحاب عبدالله بن سبا اظهر الاسلام ابتغاء للفتنه و تضلیلا للامة فسعی اولا فی اثاره الفتنه علی عثمان حتی جری علیه ما جری ثم انضوی الی الشیعه فاخذ فی تضلیل جهالهم حتی اوثقوا ان علیا رضی الله عنه هو المعبود فعلم بذلك علی فاخذهم واستتابهم فلم یتوبوا فحضر لهم حضیرا واشعل النار فیها ثم امر بان یرمی بهم فیها (مرقات شرح مشکوۃ ج ۷ ص ۱۰۴)

عبداللہ بن رواحہؓ کو مقرر کرتا ہوں۔ آپ نے مہم روانہ کی۔ حضور ﷺ مسجدِ نبوی میں تھے کہ طبیعت ذرا گھبرائی۔ تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ زیدؓ شہید ہو گئے ہیں۔ اور حضور ﷺ کے آنسو جاری تھے۔ ساتھ ہی کہا کہ جعفرؓ بھی شہید ہو گئے۔ پھر بھی آنسو جاری تھے۔ پھر فرمایا کہ عبداللہ بھی گئے۔ تین سپہ سالار حضور ﷺ کے مقرر کردہ تھے اور تینوں ہی باری باری گئے۔ آنحضرت ﷺ پر عجیب کیفیت طاری تھی اور آنسو جاری تھے۔ کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا۔ اور وہاں کے حالات جو آپ کو بطریق کشف معلوم ہوئے آپ ﷺ نے اُن کی خبر دی۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم میدانِ جنگ میں گئے ہوئے تھے اُن میں خالد بن ولیدؓ بھی تھے۔ تو فرمایا حضور ﷺ نے، اب جب تینوں جرنیل باری باری جامِ شہادت نوش کر گئے تو خالد بن ولیدؓ نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کی کمان سنبھال لی ہے۔ اب چوتھے درجے میں کھڑے ہوئے خالد بن ولیدؓ۔ تو حضور ﷺ نے وہیں خبر دی کہ اللہ نے اس کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے۔ (1)

اس سے دو چیزیں معلوم ہوئیں۔ ایک چیز تو یہ کہ حضور ﷺ نے جب تین مقرر کیے تو معلوم ہوا کہ اسلام میں مقرر کرنے کا ایک طریقہ ہے نامزدگی (Nomination)۔ اور اگر یہ نہ ہو تو پھر شوریٰ کے ساتھ مشورے کر کے کسی کو آگے کر دو۔ تو دو ہی طریقے سامنے آئے۔ ایک نامزدگی اور دوسرا باہمی مشورہ۔

مسلمانوں میں طریقِ فیصلہ

تاریخ کے طالبعلم خود فیصلہ کریں کہ اسلام کے ماخذِ علم سے، قرآنِ کریم سے، حدیث شریف سے کسی مضبوط طریق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے کسی کو نام لے کر اپنا جانشین مقرر کیا ہو؟ قرآن کریم نے جس طرح یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے عہد کے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُنہیں خلافت کے منصب پر لائے گا اور اُن کو

---

(1) اخذ الرایه زید فاصیب ثم اخذ جعفر فاصیب ثم اخذ ابن رواحی فاصیب و عیناه تذر فان حتی اخذ الرایه سیف من سیوف الله حتی فتح علیهم (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱)

زمین پر مضبوط قبضہ ملے گا، اُن کے خوف کو امن سے بدلیں گے۔ اس طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کہیں نام لے کر فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے پہلے خلیفہ حضرت علیؓ ہوں گے؟

سقیفہ بنی ساعدہ کی مشاورت

پھر سقیفہ بنی ساعدہ میں جب انصار اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے تو کیا کسی نے آواز لگائی کہ تم کون ہو فیصلہ کرنے والے؟ حضور ﷺ تو حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کر چکے ہیں! پھر جب چند مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں پہنچے اور انہوں نے یہ موقف پیش کیا کہ خلافت مہاجرین میں سے ہونی چاہیے اور اِس پر انصار خاموش ہو گئے تو اُس وقت اُن میں سے کوئی کہہ دیتا کہ خلافت جب ہم (انصار) میں نہیں آ رہی تو اِن (آنے والوں) کو بھی نہ ملے کہ خلافت حضور ﷺ نے غدیر خم میں حضرت علیؓ کو دے دی تھی۔ یہ بات کہنے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ وہاں کسی نے بھی یہ بات نہ کہی۔

اِن حالات میں تحقیق کرنے والا طالبعلم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا سیاسی جانشین کسی کو مقرر نہ کیا تھا۔ اسلامی نظامِ حکومت، نظامِ شوریٰ ہے۔ حضرت علیؓ کو غدیرِ خُم پر خلیفہ مقرر کرنے کا قصہ ایک افسانے سے آگے نہیں جاتا۔ آپکی خلافت کے لیے وصیت کرنے کی خواہش بھی یہی بتاتی ہے کہ خُم کے تالاب کے کنارے حضور ﷺ نے کسی کی خلافت کا اعلان نہیں کیا تھا۔

اگر حضرت علیؓ کے خلیفہ مقرر کیے جانے پر کوئی تحقیقی دستاویز نہیں ملتی اور قرآن کریم میں بھی کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کی کوئی آیت نہیں ملتی، من کنت مولاہ فعلی مولاہ بھی خلافت کے موضوع پر نہیں اور اسکی اسناد بھی ضعیف ہیں اور یہ بھی کہ حدیثِ قرطاس میں آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کرنا تھا یہ بھی ایک موہوم امر ہے تو ان حقائق کی روشنی میں خلافت کے لیے حضرت علیؓ کی نامزدگی کا دعویٰ بالکل بے سروپا ہو کر رہ جاتا ہے۔

پھر خلافت کے لیے حضرت علیؓ کا نہ اٹھنا بلکہ ان تینوں خلافتوں کو بر سر عالم تسلیم کرنا

ان خلفاء کے پیچھے نمازیں پڑھنا اور انکے دینی کاموں اور مشوروں میں بار بار شریک ہونا یہ واقعات اس نامزدگی کے دعوی کو پرکے برابر اہمیت نہیں دیتے۔

غزوہ موتہ کے نقش پر چلنے کی راہ

غزوہ موتہ میں حضور ﷺ نے دونوں طریقوں کا نشان بتادیا کہ اگر نامزد کردہ موجود ہو تو وہ آگے ہو گا اور اگر نامزد کوئی نہیں تو شوریٰ کے ساتھ چن لیں گے۔ تینوں پر نص موجود تھی۔ ان کے بعد باری آگئی خالد بن ولیدؓ کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی تو حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کشف کے ذریعے یہ نقشہ دکھلایا۔ کشف کا معنیٰ یہ ہے کہ درمیان میں سے پردے اٹھ گئے۔ تو جس طرح پیغمبر کے معجزات برحق ہیں تو ان کا کشف بھی برحق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے وہاں واقع ہونے والے حالات کی خبر دی اور یہ بناء بر کشف تھا پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی جگہ امیر مقرر کرنا ہو تو فرسٹ پوزیشن کیا ہے اور اگر کوئی نامزد نہیں تو پھر شوریٰ کے مشورہ سے۔ حضور اکرم ﷺ کی جب وفات ہوئی تو نامزدگی کسی کے لیے نہ تھی۔ کسی کے لیے آپ ﷺ نے حکم نہیں دیا تھا۔ نص نہیں فرمائی تھی۔ اب جب کسی کے لیے نص نہیں تو پھر ایک ہی رستہ رہ گیا؛ شوریٰ کا۔ کہ آپس میں مشورے کے ساتھ طے کرلیں۔

خاتم النبیین کے بعد حکومت کیسے قائم ہوئی؟

نبی پاک ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے باہمی مشورے سے امیر کا انتخاب کیا۔ اور مشورے کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ صدیق کو چنا۔ تو ابو بکر صدیقؓ کو جب مشورے سے چنا گیا تو اس سے پتہ چلا کہ خلافت محض ایک انتظامی مسئلہ ہے، آسمانی مسئلہ نہیں۔ خلیفہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ یا رسول کی طرف سے مقرر کردہ نہیں ہو گا بلکہ یہ ایک انتظامی چیز ہے۔ اور جو انتظامی چیز ہے وہ اصولِ دین میں سے نہیں۔ دین میں جو بنیادی چیزیں ہیں ان کو کہتے ہیں:

Fundamentals, and then there are applications, how to act upon the requirements of beliefs of these fundamentals.

انکے علاوہ اور بھی کچھ ہیں اور یہ اس لیے کہ راہِ عمل دکھادیں، کہ جو اصول ہے اس پر عمل کس طرح کرنا ہے۔ یہ تو ہے اہل سنّت والجماعت کا عقیدہ۔ نظم مملکت یا خلافت یا امارت انتظامی مسئلہ ہے یہ فروع میں سے ہے اصول میں سے نہیں۔ کیوں؟ دین کے اصول وہی ہیں جو ۹ تاریخ کو مکمل ہوئے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: **الیوم اکملت لکم دینکم**۔ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اس کا معنیٰ ہے کہ اصول سارے اس دن طے ہو گئے تھے۔ اب کوئی اصول والی چیز بعد میں نہیں آئے گی۔ جو چیز آئے گی وہ فروعات میں سے ہو گی۔ Application والی ہو گی۔ عملیات والی ہو گی۔ انتظامی ہو گی۔ خلیفہ تو انتظامی چیز ہے۔ مجرموں کے لیے فیصلے کرنا ہیں تو یہ انتظامی چیز ہے۔ قاضیوں کو عدالتوں پر مقرر کرنا ایک انتظامی چیز ہے۔ نماز کا امام مقرر کرنا ہے تو یہ انتظامی چیز ہے۔ ان میں ایسی ساری چیزیں آئیں گی۔ بنیادی چیز اور اصولی چیز ۹ تاریخ کو **الیوم اکملت لکم دینکم** نازل ہونے کے بعد کوئی نہیں ہو گی۔ خلافت کے مسئلے میں شیعہ اور اہل سنّت میں یہ فرق ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین کیسے مقرر کیا جائے؟ یہ ایک فقہی سوال ہے۔

جانشین مقرر کرنے کا طریقہ

جواب۔ اہل سنّت کے نزدیک یہ انتظامی مسئلہ ہے۔ اصولی نہیں۔ بنیادی نہیں۔ شیعہ کے نزدیک یہ اصولی مسئلہ ہے۔ دوسرا اختلاف یہ کہ اہل سنّت والجماعت کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی کے لیے نامزدگی نہیں فرمائی تھی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ علیؓ کی نامزدگی ہوئی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ کس نے بنایا؟ اپنے دوستوں نے یا مخالفوں نے؟ اس سوال کو سمجھنے کے لیے آپ یہ دیکھیں کہ عرب میں حضور ﷺ کی

وفات پر مدینہ منورہ میں کتنے طبقوں کے لوگ تھے؟ Major وہ کون لوگ تھے؟ مہاجر! اور Minor کون تھے؟ انصار! مہاجر وہ لوگ تھے جو مکہ کے رہنے والے تھے اور انصار وہ لوگ تھے جو مدینہ کے رہنے والے تھے۔ تو مدینہ منورہ میں کتنی قسم کے لوگ تھے؟ دو قسم کے۔ مہاجر اور انصار۔ انصار مدینہ کے رہنے والے تھے، بڑے نیک تھے لیکن انسان تھے ان کے ذہن میں یہ بات ڈلی کہ پیغمبر ﷺ تو مہاجروں میں سے تھے اور ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے تھے۔ تو اس میں ہمارا دخل نہیں، وہ تو خدا کا معاملہ ہے۔ خدا نے اُن کو چنا۔ تو آنحضرت ﷺ تو مہاجروں میں سے تھے اس میں تو ہمارا دخل نہیں اب خلیفہ تو ہم میں سے ہونا چاہیے۔ جو جانشین ہو، وہ ہم میں سے چاہیے۔ یہ اُن کے ذہن میں بات آئی۔ چنانچہ حضور ﷺ کو ابھی دفن نہیں کیا گیا تھا کہ سعد بن عبادہ جو قبیلے کے بڑے سردار تھے، ان کے ہاں میٹنگ ہوئی کہ حضور ﷺ کے بعد اب ہم کس کو اُن کا خلیفہ بنائیں۔ اب آپ یہ بتائیں کہ کوئی بادشاہ یا سربراہ یا کوئی ملک کا بڑا فوت ہو جائے تو جو نیا ہے وہ دفن کے بعد بنایا جاتا ہے یا دفن سے پہلے؟ وہ دفن سے پہلے بنایا جاتا ہے! کیوں؟ کہ اچانک کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو کوئی ملک کا سربراہ تو ہو۔ برطانیہ میں بھی یہی ہے کہ جب ملک کا سربراہ مر جائے، Kingorqueen کوئی ہو تو جب تک کہ نئے کا انتخاب نہ کر لیا جائے، تاج میت کے سرہانے رکھا رہتا ہے۔ تاج نہیں اٹھاتے، مرنے والا مر گیا۔ لیکن اُس کے سرہانے تاج پڑا ہے۔ یہ تاج کسی کے سر پر آئے گا پھر اس کو دفن کیا جائے گا۔ دنیا کی تمام زندہ قومیں اور بیدار قومیں اپنی ذمہ داریاں سمجھتی ہیں تو صحابہ کرامؓ بھی یہ ذمہ داری سمجھ رہے تھے کہ حضور ﷺ تو وفات پا گئے تو اگر اسی وقت قیصر روم حملہ کر دے یا کوئی اور بیرونی طاقت حملہ کر دے تو مسلمانوں کی طرف سے کس نے جواب دینا ہے؟ اُسے پہلے چنا جائے پھر پیغمبر ﷺ کو دفن کیا جائے۔ یہ مسئلہ سیاست کا تھا، ایک تدبر کا تھا۔ ایک وقت کا تقاضا تھا۔ لیکن اس کو شیعوں نے بڑی مضحکہ خیز پوزیشن میں پیش کیا اور کہا! دیکھو کہ یہ دنیا کے پیچھے پڑے تھے، یہ فیصلے کر رہے تھے خلافت کے، اور ادھر حضور ﷺ کو ابھی دفنایا نہیں گیا تھا۔ ابھی دفن

نہیں کیا گیا تھا۔ اور یہ خلافت کے فیصلے کر رہے تھے۔ اور اسے اتنی بھیانک شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ دل دکھ کر رہ جاتا ہے۔ لیکن سوچتے نہیں کہ تدبر کیا ہے؟ علم والے لوگ کیا کہیں گے؟ وہ یہی کہیں گے کہ اگر سربراہ فوت ہو جائے تو جب تک نئے کا انتخاب نہ ہو پہلے کو دفن نہیں کیا جاتا۔ اور دنیا کے بڑے ملکوں کی تاریخ اس کے ساتھ شامل ہے۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم اتنے Trained تھے سیاست میں کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دفن کرنے سے پہلے امیر چننے کا فیصلہ کیا اور جب اِن کے یہاں مجلسیں ہوتی ہیں محرم کی تو لوگوں کو بھڑکاتے ہیں کہ دیکھو، وہ خلافت کے فیصلے کر رہے تھے اور ہمارے اپنے آ کر ہم سے پوچھتے ہیں کیوں جی؟ یہ ٹھیک ہے؟ یعنی اپنا عقیدہ اتنا کمزور کہ اِدھر بات سنی۔ اچھا جی یہ ٹھیک ہے۔ ایک ذاکر چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے: کہ لاشہ نبی کا تھا بے گور و کفن پڑا وہاں ہو رہا تھا تختِ خلافت کا فیصلہ۔ لاشہ نبی کا تھا بے گور و کفن پڑا (یعنی ابھی حضور ﷺ کو دفن نہیں کیا گیا تھا) وہاں ہو رہا تھا تختِ خلافت کا فیصلہ۔ ایسی خلافتوں کا بتاؤ اصول کیا؟ اس مضمون کو جب وہ بھڑکا کر پیش کرتے ہیں تو سنی نوجوان جو اپنی تاریخ سے ناواقف ہے حیران ہو کر پوچھتا ہے۔ اچھا جی کیا ایسا ہوا تھا؟ کیا ہوا تھا؟ ہر موضوع پر کتابیں لکھی ہیں اور موجود ہیں۔ لیکن اپنے عقیدے سے محبت ہو تو انسان اُس کے گرد پہرا دیتا ہے، اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ اِدھر بات سنی کہ ایسی خلافتوں کا بتاؤ اصول کیا۔ وہاں ہو رہا تھا تختِ خلافت کا فیصلہ۔ انا للہِ و انا الیہ راجعون۔

تو بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات بالکل صحیح تھی کہ جانشین پہلے چننا تھا۔ اب انصار کہتے تھے کہ جانشین ہم میں سے ہو۔ اور یہ حضراتِ انصار بھی حضور ﷺ کے اپنے تھے۔ لیکن وہ اس بات کو بھول گئے کہ عرب میں سب سے زیادہ عزت والے لوگ کون ہیں۔ عرب میں سب سے زیادہ عزت والے لوگ قریش تھے اور پورے عرب میں جہاں ڈاکوؤں اور چوروں کی کوئی کمی نہ تھی۔ جب کعبہ کے متولی قافلے کی شکل میں اپنے سفروں میں چلتے تھے، سردی کا موسم ہو یا گرمی کا موسم تو ان کے قافلوں پر کوئی ڈاکو بھی ہاتھ نہیں

اٹھاتا تھا۔

قریش کی پورے عرب میں عزت، رعب اور دبدبہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قریش کے ان دو سفروں کا قرآن پاک میں ذکر فرمایا:

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾

الشتاء سردی کے موسم کا ایک سفر۔ والصیف گرمی کے موسم کا ایک سفر۔ قریش کو شوق دلایا گیا ان دو سفروں پر جانے کا۔ اور اِن کے تجارتی قافلے یمن اور شام کی طرف چلا کرتے تھے۔ اور مجال ہے کہ پورے قافلے پر کوئی ڈاکو حملہ کر سکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا اے قریش: خدا کے احسان کو یاد کرو۔ جب خدا نے تمہیں اتنی عزت دی کہ جب کسی کا قافلہ اتنا محفوظ نہیں چل سکتا تھا جتنا تمہارے چلتے تھے تو تمہیں کیا کرنا چاہیے تھا؟ اپنے رب کی یاد! فلیعبدوا ربھم! تو چاہیے کہ اب یہ قریش اس رب کی عبادت کریں جس نے انہیں ان دو سفروں میں امن دیا۔ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾ فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۙ﴿۳﴾۔ اس رب کی جو بیت کا رب ہے اب ان قریش کو اسکی عبادت اور زیادہ شوق سے کرنی چاہیے۔ کون رب؟

الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ﴿۴﴾

جس رب نے ان کو اس وقت کھلایا جس وقت عرب قوم بھوکی تھی۔ عرب لوگ جب بھوکے سوتے تھے ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عزت دے رکھی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب ہر تجارتی قافلے پر خوف اترتا تھا کہ ڈاکو لوٹ کر نہ لے جائیں۔ تو آمنھم من خوف تو اللہ تعالیٰ نے قریش کو امن دیا۔ تو سب سے زیادہ رعب عرب میں اسی خاندان کا تھا۔

خلیفہ قریش میں سے ہو

منشاء یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا فرمانروا اس قوم میں سے ہو جو کعبہ کے متولی ہیں تو ساری قومیں ان کے سامنے سرنڈر کر جائیں گی۔ پھر آگے سر نہیں اٹھائیں گی۔ انصار اپنی

جگہ بہت نیک تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدد کی تھی۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ لیکن ان میں کوئی اتنا وجاہت والا آدمی نہیں تھا کہ جس کے آگے عرب کے کل لوگ سرنڈر ہو جائیں۔ تو فیصلہ کرنے کے لیے یہ انصار بیٹھے سعد بن عبادہ کے ہاں۔ ایک چھپر کے نیچے یہ اکٹھے ہوئے کہ اب ہم خلیفہ چنیں۔ تو جو لوگ بیٹھے تھے، قوم انصار کی تھی۔ اس وقت مہاجر کہاں تھے؟ جو مہاجر تھے، جو مکہ سے آئے ہوئے تھے یہ سارے مسجد نبوی میں بیٹھے تھے۔ وہیں حضور ﷺ کا بدنِ مبارک تھا۔ اور سارے مہاجر وہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ آج ان کی متاع اور ان کی دولت اس دنیا سے جاتی رہی۔ سارے مہاجر اِسی غم میں کہ ہم گھر والے ہیں، ہمارے آقا سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ تو یہ یہاں بیٹھے تھے اور انصار ادھر سوچ رہے تھے کہ مدینہ کو حملہ آوروں سے بچانا کس طرح ہے کہ نعمان بن بشیر جو حضور ﷺ کے صحابی گزرے ہیں اور وہ انصار میں سے تھے تو انہوں نے مسجدِ نبوی میں جا کر اطلاع دی کہ تم تو یہاں بیٹھے ہو، وہاں میٹنگ ہو رہی ہے۔ مکہ والے یہاں سینکڑوں کی تعداد میں بیٹھے تھے۔ لیکن جب یہ پتہ چلا کہ وہاں میٹنگ ہو رہی ہے تو اس لیے کہ وہ کوئی غلط فیصلہ نہ کر دیں، تین آدمی اٹھے: حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ، حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ۔ تینوں اٹھے اور ان کی مجلس میں چلے گئے۔ مجلس کن کی تھی؟ انصار کی! وہ کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو۔ تو وہاں پہنچے تین مہاجر۔ تو ابو بکر صدیقؓ نے جاتے ہی یہ حدیث سنائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا الائمۃ من القریش۔ کہ خلفاء چنے جائیں قریش میں سے۔ یہ جو کعبے کے متولی ہیں خلیفہ ان میں سے چنا حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ یہ حضور ﷺ کی حدیث تھی اور انصار بھی نیک تھے۔ اُن کو بھی یاد آگیا اور انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ تو جب آپ نے یہ حدیث سنائی کہ امراء اور خلفاء قریش میں سے ہوں گے اور وزراء جو چنیں جائیں وہ انصار میں سے ہوں تو خلافت کے موضوع پر اصولی اتفاق ہو گیا۔ انہوں نے بات مان لی۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے اٹھ کر نام پیش کیا حضرت عمرؓ کا۔ کہ مسلمانوں میں وہ بیدار بخت شخصیت جو ساری ذمہ داری کو نبھا سکتے ہیں میری نگاہ میں عمرؓ ہیں۔ تو میں اِن کا نام پیش کرتا ہوں۔ پھر

حضرت عمرؓ اٹھے انہوں نے کہا ابو بکر صدیقؓ کو کہ قرآن نے جو کہا۔ ثانی اثنین کہ غار میں جو دو تھے۔ اُس غار میں پیغمبر کے ساتھ میں تھا یا آپ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے ساتھ دوسرا کس کو قرار دیا؟ ثانی اثنین آپ ہیں یا میں؟ اور یہ تو قرآن کی صریح آیت تھی جو سب مسلمانوں کو معلوم تھی کہ ابو بکرؓ کے حق میں ہے۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ خاموش ہو گئے۔

تو حضرت عمرؓ نے اٹھ کر اُن کا ہاتھ اٹھایا اور فرمایا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ پھر اُن سب نے بیعت کی، پھر یہ مسجد میں آئے اور مہاجرین نے بیعت کی۔ تو تاریخ ایک سوال کرتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنے مہاجرین کے کیمپ نے چُنا یا دوسروں نے؟ یعنی اُس وقت سوال کیا تھا؟ سوال یہ تھا کہ خلیفہ اور جانشین مصطفیٰ ﷺ وہ ان میں سے ہو، انصار میں سے یا مہاجرین میں سے۔ تو اگر علیؓ کے بارے میں غدیر خم کے موقع پر کوئی اعلان ہو گیا ہوتا تو پورے مجمع میں کوئی تو بولتا کہ تم کیا فیصلہ کر رہے ہو؟ فیصلہ تو حضور ﷺ کر گئے ہیں۔ اب جب انصار میں حضرت عمرؓ کا نام پیش ہوا تھا تو انصار کی جو تمنا تھی۔۔۔ ظاہر میں اس کی شکست ہوئی نا؟ تو پھر ایسے موقع پر انصار ہی کہہ دیتے کہ اگر ہمارا نہیں بن رہا تو یہ بھی نہ بنے۔ وہ کہہ دیتے کہ علیؓ کا علان حضور ﷺ فلاں موقعہ پر کر چکے تھے اس لیے اُنہیں خلیفہ بنایا جائے۔ لیکن انہوں نے نام نہیں لیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کا افسانہ بعد کا بنایا ہوا ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی کوئی صداقت ہوتی اور ذرا بھی کوئی سچائی کی شعاع ہوتی تو یہ موقع تھا ذکر کرنے کا اور وہاں کسی نے ذکر نہیں کیا۔ خلیفہ حضرت ابو بکرؓ کو چن لیا گیا تو پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسجدِ نبوی میں آکر مہاجرین سے بیعت لی۔

خاتم النبیین ﷺ کی تدفین

جب خلافت کا اعلان ہو گیا پھر حضور ﷺ کو دفن کیا گیا۔ اور حضور ﷺ کو جب دفن کیا گیا اس میں حضرت علی مرتضیٰؓ بالکل مختار تھے۔ مختار یعنی اُن پر کوئی Pressure نہیں تھا۔ جس حجرہ میں (امّ المومنین کے حجرہ) حضور ﷺ کا جسم مبارک رکھا تھا، حضرت علیؓ اس کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! وفات کے بعد بھی

حضور ﷺ امام ہیں۔ زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی[1] حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ میں کوئی امام نہیں بنے گا[2]

حضور ﷺ زندگی میں بھی اور وفات میں بھی ہمارے امام ہیں آپ کا کوئی امام نہیں بنے گا۔ آپ کی نمازِ جنازہ یہی ہے کہ اس کمرے کے اندر دس آدمی آئیں اور چہرہ مبارک کی زیارت کر کے درود شریف پڑھیں اور چلے جائیں۔ پھر دس آئیں۔ درود شریف پڑھیں اور چلے جائیں۔ پھر دس آئیں، درود شریف پڑھیں اور چلے جائیں[3]

تین دن تک آنے جانے والوں کا اور درود پڑھنے والوں کا سلسلہ قائم رہا۔ تو پیغمبر ﷺ کی نمازِ جنازہ اس طریقے پر نہیں ہوئی جس طرح اوروں کی ہوتی ہے۔ اور لوگوں کی میت پر امام دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! اے اللہ! بخش دے ہمارے حاضر کو، شاہد کو، غائب کو، مرد کو، عورت کو بخش دے۔ تو امام دعا کرتا ہے کہ یا اللہ ہم جس کو لے کر آئے ہیں۔۔۔ اس کی خطائیں اور گناہ بخش دے۔ اب پیغمبر کے بدن مبارک کے سامنے کون کہے کہ یا اللہ اس کے گناہ بخش دے۔ وہ جو تمہارے گناہوں کی بخشش میں شفاعت کا سہارا ہے۔ کون ہے جو ان کے بارے میں کہے کہ یا اللہ اِن کے گناہ بخش دے۔ تو پیغمبر کی نمازِ جنازہ اُس طرح نہیں ہوتی جس طرح کہ عام لوگوں کی ہوتی ہے۔ اُن کی نمازِ جنازہ یہی ہے کہ درود شریف پڑھو اور رخصت ہو جاؤ۔ تو پھر تاریخ میں آتا ہے کہ تین دن تک لوگ آتے جاتے

---

(1) فقال یا ایہا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم امام حیا و میتا (اصول کافی ج ۳ ص ۲۶ مع الشافی)

(2) دخل ابو بکر و عمر و معہما نفر من المہاجرین والانصار بقدر ما یسع البیت فقالا السلام علیک ایہاالنبی و رحمہ اللہ و برکاتہ و سلم المہاجرون والانصار کما سلم ابی بکر و عمر ثم صفوا صفوفا لا یومہم احد (البدایہ والنھایہ ج ۵ ص ۲۶۵)

(3) ثم ادخل ای علی عشرہ من المہاجرین و عشرہ من الانصار فیصلون و یخرجون حتی لم یبق من المہاجرین و الانصار الا صلی علیہ (احتجاج طبری ج ۱ ص ۱۰۶) فقال یا ایہاالناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ امام حیا و میتا (اصول کافی ج ۳ ص ۲۶ مع الشافی)

رہے اور درود شریف پڑھا جاتا رہا۔ صلت علیه الملائکه والمهاجرون و الانصار[1]

تمام مہاجرین اور انصار نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ اب یہ جو شرارتی لوگ ہیں، عبد اللہ بن سبا کے سکھلانے سے پہلا سوال یہ کرتے ہیں کہ جی حضور ﷺ کا جنازہ خلفاء ثلاثہ نے نہیں پڑھا۔ کیوں نہیں پڑھا؟ اس لیے کہ یہ تو سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے فیصلے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ کسی نے جنازہ ہی نہیں پڑھا! اور بڑی دیدہ دلیری سے سوال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جنازہ پڑھا۔ یہ کہاں تھے؟ ایک مرتبہ مجھ سے بھی یہ سوال کیا گیا۔ میں نے کہا کہ تم بتاؤ کہ جنازہ جو حضور ﷺ کا تھا اس میں حضرت علیؓ کس صف میں کھڑے ہوئے تھے؟ اور دائیں کھڑے تھے یا بائیں؟ کہنے لگے یہ کیوں پوچھتے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جہاں وہ کھڑے تھے اُن کے دائیں طرف وہ کھڑے تھے! کہنے لگے اُن کا تو پتہ نہیں چلتا کہاں کھڑے تھے۔ میں نے کہا اگر اُن کا نہیں پتہ تو اُن کا بھی نہیں پتہ۔ اب یہ کوئی سوال کرنے کا طریقہ ہے کہ اتنے صحابہؓ، سینکڑوں کی تعداد میں اور سب نے جنازہ پڑھا اور یہ پوچھتے ہو کہ فلاں کہاں تھا اور فلاں کہاں تھا؟ تو یہ جو سوال ہوتے ہیں بڑے فضول قسم کے سوال ہوتے ہیں۔ تو پھر اِن کا جواب بھی ایسے ہی ہونا چاہیے۔ میں نے کہا پہلے تم بتاؤ حضرت علیؓ کس صف میں تھے؟ جب وہ پوچھیں کہ یہ کیوں پوچھا ہے؟ اسلیے۔۔۔ کہ ہم نے اس کے بعد کہنا ہے کہ جہاں وہ کھڑے تھے، دائیں طرف وہ تھے۔ اب پوچھیں گے حضرت عثمانؓ کہاں تھے؟ میں کہوں گا بائیں طرف! تو ایسے لوگوں کو جواب دینے کے لیے اُسی وقت فوری طور پر ذہن میں کچھ نہ کچھ ضرور ہو شک میں پڑ جاتا کہ کیا واقعی انہوں نے نبی پاک ﷺ کے دفن کے بارے میں بے توجہی کی؟ نہ۔ پھر یہ مسئلہ بھی یاد رکھیے کہ میت کو دفن کرنے کا جلد حکم کیوں ہے؟ میت کو دفن کرنے کا جلدی حکم اس لیے ہے کہ بدن کے خراب

(1) عن ابی جعفر علیه السلام قال لما قبض النبی صلی الله علیه واله صلت علیه الملائکه والمهاجرون والانصار فوجا فوجا (اصول کافی ج ۳ ص ۲۷ مع الشافی)

ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جب تک جان ہے، یہ بدن سالہا سال تک چلتا ہے اور جب جان نکل گئی تو بدن خراب ہونے لگتا ہے۔ گلنے سڑنے لگتا ہے۔ تو حکم ہے کہ جتنی جلدی ہو دفن کرو۔ مگر پیغمبر ﷺ کے جسم کے بارے میں یہ ضمانت دی گئی ہے کہ وہ خراب نہیں ہوتا۔ اور اعتقاد یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے جسم کی تازگی اب بھی اسی طرح ہے جیسے کہ اُسے دفن کیا گیا تھا۔ جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو روح نکلنے کے فوراً بعد اُس کے بدن کی وہی تازگی ہوتی ہے جو ہم یہاں محسوس کرتے ہیں۔ لیکن آدھے گھنٹے کے بعد یا پندرہ بیس منٹ کے بعد آہستہ آہستہ بدن سکڑنا اور ٹھنڈا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور گھنٹے کے بعد وہ اکڑ جاتا ہے۔ تو یہ تازگی کب تک رہتی ہے؟ اور کیوں کر رہتی ہے؟ روح کے اثر سے! کہ روح جو نکلی ہے اب روح کے اثرات کچھ منٹوں تک تو رہیں گے نا؟ تو جتنے منٹوں تک رہیں گے اتنا عرصہ بدن میں تازگی ہوگی اور پھر بدن اکڑنا شروع ہو جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کے بدن مبارک کے بارے میں محققین کا قول یہ ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح نرم و نازک ہے جس طرح دنیا میں تھا۔ چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے لیکن آپ ﷺ کا بدن ایسا نہیں کہ جان نکلنے کے بعد پتھر ہو جائے یا اکڑے۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ بات نہیں ہے۔ وہ اُسی طرح پھول کی طرح تازہ ہے جس طرح پہلے تھا۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ وہ بدن اُسی طرح تازہ ہے کہ جس طرح دفن کے وقت تھا[1]

زمانے کے تغیرات نے اُس پر کچھ اثر نہیں کیا، روح کے اثرات اُس پر اب بھی ہیں۔ اب جب حضور ﷺ کے بدن مبارک کے بارے میں پہلے سے یہی ضمانت تھی کہ یہ خراب نہیں ہونے والا تو اگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے تین دن تک دفن نہیں کیا اور درود پڑھنے والے تین دن آتے جاتے رہے تو اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کوئی مجرم نہیں ہیں۔ لیکن جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے ہوتے ہیں دشمنی کے پیرائے میں وہ بار بار کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو تین دن تک دفن نہیں کیا۔ تین دن تک دفن نہیں کیا۔ بھئی تین دن تک اس لیے

---

(1) وھو الیوم کما وضع (ہدایہ باب الجنائز ج ۱ ص ۱۶)

دفن نہیں کیا کہ پیچھے ضمانت موجود تھی۔ تو جب ضمانت موجود تھی تو پھر قواعد وہ تو نہیں ہوتے۔ مثلاً، نبی پاک ﷺ کی عادت تھی کہ جب حضور ﷺ جاتے تو صحابہؓ میں سے دو چار باڈی گارڈ کے طور پر ساتھ ہوتے کہ کوئی حملہ نہ کردے۔ تو جہاں بھی جاتے باڈی گارڈز ساتھ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت بھیجی قرآنِ پاک میں واللہ یعصمک من الناس۔ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ اللہ تعالیٰ آپ کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے بچائیں گے، اِن کے ناپاک ہاتھ آپ ﷺ کے بدن کو نہیں لگیں گے۔ حضور ﷺ نے آیت اترتے ہی کہہ دیا کہ اب میرے ساتھ کسی باڈی گارڈ کی ضرورت نہیں۔ میرے خدا نے مجھ سے وعدہ کرلیا ہے[1]

پھر حضور ﷺ اکیلے چلتے اور جہاں بڑے بڑوں کے دل دہل جاتے، نبی پاک ﷺ گھوڑا لے کر اکیلے گھومتے کہ میرے ساتھ خدا کا وعدہ ہے۔ تو جب خدا کا وعدہ ہو تو اُس کے مطابق حالات بنتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی ضمانت تھی کہ یہ بدن مبارک بگڑے گا نہیں اس میں خرابی نہیں ہوگی۔ اب آپ کو پتہ ہے کہ اگر آدمی نہائے نہ اور گرمی کا موسم ہو تو دو تین دن پسینہ آئے تو کتنی بو پیدا ہو جاتی ہے؟ تو وہ حق ہے کہ بدن کی حرارت کے ساتھ اور یہ تو اندرونی کیفیات ہیں انکے بعد پسینہ آئے اور بو پیدا ہو جائے تو بالکل فطری بات ہے۔ نبی پاک ﷺ کی خوراک تو وہی تھی جو دوسرے مسلمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم کھاتے تھے لیکن وہاں جو پسینہ تھا وہ خوشبو ہوتی تھی۔ اب وہ خاص طور پر اس بدن کے اپنے حالات ہیں کہ ان کا پسینہ بھی خوشبو ہے[2]

---

(1) عن ابی عباس قال کان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یحرس و کان یرسل معہ عمہ ابو طالب کل یوم رجالا من بنی ہاشم یحرسونہ حتی نزلت واللہ یعصمک من الناس فاراد عمہ ان یرسل معہ من یحرسہ فقال یا عم ان اللہ عز و جل قد عصمنی۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ایہا الناس انصرفوا فقد عصمنی اللہ تعالیٰ (روح المعانی ج ۳ ص ۳۶۴)

(2) عن انس بن مالک قال دخل علینا النبی صلی اللہ علیہ و سلم فقال عندنا فعرق وجاءت امی بقارورۃ فجعلت تسلت العرق فیہا فاستیقظ النبی صلی اللہ علیہ و سلم فقال یا ام سلیم ما ہذا الذی تصنعین قالت ہذا عرقک نجعلہ فی طیبنا وہو اطیب الطیب (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۷)

تو اگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے تین تک دفن نہیں کیا تو یہ Assurity پیچھے سے موجود ہے اور اس کے لیے ہمارے پاس کئی شہادتیں ہیں۔ جن لوگوں کی ہر بات یہی ہے کہ دیکھو ابھی نبی کو دفن نہیں کیا گیا اور یہ خلافت کا فیصلہ کر رہے تھے اور یہ نہیں پتہ کہ دنیا کے تمام آزاد ممالک میں یہ ہوتا ہے کہ سربراہ کے فوت ہونے کے بعد جب تک اس کا قائم مقام نہ بنالیا جائے تاج اُس کی میت کے سرہانے رکھا رہتا ہے۔ جب تک اس کو کسی کے سر پر نہ رکھا جائے اس کو دفن نہیں کرتے۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ شیعہ نے یہ جو کہانی بنائی ہے کہ حضرت علیؓ کی Nomination ہو چکی تھی، اس Nomination کو توڑنے کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع جس میں کہ حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ چنا گیا اور انصار اس طرف تھے اور یہ اِس طرف اور آپس میں اِن کا مکالمہ ہوا، بڑی بحث ہوئی، اس موقعے پر یہ آواز کیوں نہیں آئی کہ حضرت علیؓ کو مقرر کیا ہوا ہے۔ اور پھر یہ کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا حضرت عثمانؓ کے بعد تو آپ یہ کیوں کہتے تھے کہ میں چوتھا ہوں؟ اُس وقت، جب اقتدار اپنے پاس آگیا تو یہ کہنا کہ میں پہلا خلیفہ ہوں اس میں کیا دقت تھی؟ لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ میں چوتھا ہوں! میں چوتھا ہوں! اور پہلے تینوں خلیفوں کا کہتے تھے کہ میری خلافت اُن کی خلافت پر مبنی ہے۔ آپ ایک خط میں لکھتے ہیں

بايعني الذين بايعوا ابابكر و عمر وعثمان على ما بايعوهم عليه.[1]

مجھے خلیفہ بنانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے ابو بکر کو خلیفہ بنایا، جنہوں نے عمر کو بنایا جنہوں نے پھر حضرت عثمان کو بنایا اور مجھ سے بھی خلافت کے وقت وہی شرط لی گئی جو اُن سے لی گئی تھی۔ اب کسی کو بھی اختیار نہیں کہ وہ کوئی اور راہ اختیار کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تو اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ مجھے خلیفہ بنایا گیا اور یہ ساری داستان شیعہ لوگوں کی اپنی من گھڑت ہے۔ اِسی ایک مسئلے پر کہ جی ان کو نامینیٹ کر دیا گیا تھا۔ اب جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر کبھی جاتے تو پیچھے قائم مقام خلیفہ آپ کو بنا دیتے۔

(1) نہج البلاغہ ج ۳ ص ۸ مطبوعہ مصر۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تو یہ چارج لینے کا بڑا وقت تھا۔ پھر بھی ہمارے اپنے سنی نوجوانوں کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے کہ ہماری اپنی تاریخ ماشاء اللہ بڑی روشن ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے کارنامے ہمارے پاس موجود ہیں اور تاریخ نے ان واقعات کو جتنا تاریک کر دیا اور تاریخ نے ان میں جتنا اندھیر پیدا کیا ہے ہمارے پاس اتنی روشنی موجود ہے جو اِن واقعات کی ایک ایک کڑی کو بڑا نکھار کر پیش کرتی ہے۔ لیکن کوئی پڑھے بھی! نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ نوجوان کو گو اسکی دنیوی تعلیم تھوڑی سی ہو، اس کو بنیادی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نظریات اور عقائد کیا ہیں۔ اور ہمارے ساتھی اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ ذرا سا سوال ہو تو بھاگے بھاگے آتے ہیں کہ جی۔۔۔ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ اپنے آپ پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ہاں تو بات قرآنِ پاک کی چلی آ رہی تھی کہ یہودی جو ہیں مسلمانوں کے پرانے دشمن ہیں اور یہ اُن کی تاریخی سازش ہے جس نے مسلمانوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ذہن سازی کی۔ یہ سلسلہ یہودیوں نے قائم کیا تھا۔ یہودیوں نے! ایک یہودی عبداللہ بن سبا اُس کا نام تھا وہ مسلمان بن کر آیا مسلمانوں میں اور کہا کہ میں مسلمان ہوں[1]

اور اُس نے پروپیگنڈہ شروع کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف۔ شیعیت یہیں سے پھیلی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف جو بھی کوئی بات کرے، سمجھ لو کہ یہ اُس طرف کا ہے۔

ایک دن نبی پاک ﷺ ذکر فرما رہے تھے کہ میرے بعد بڑے بڑے فتنے اٹھیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک فتنہ اس طرح اٹھے گا جس طرح دریا میں طوفان

(1) شیعہ حضرات کی مشہور کتاب اسماء الرجال کی کتاب رجال کشی میں ہے: ان عبداللہ بن سبا کان یہودیا فاسلم و والی علیا علیہ السلام و کان یقول و ہو علی یہودیتہ فی یوشع بن نون وصی موسی بالغلو فقال فی الاسلامہ بعد وفات رسول صلی اللہ علیہ والہ فی علی علیہ السلام مثل ذالک و کان اول من اشہر القول بفرض امامۃ علی و اظہر البراء من اعدائہ و کاشف مخالفیہ واکفرہم فمن ھھنا (رجال کشی ص ۷۱)۔

اٹھتا ہے۔ تو صحابہ رضوان اللہ اجمعین پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر فتنے اٹھیں اور اس طرح اٹھیں جس طرح آپ ﷺ اعلان فرماتے ہیں تو ہمارا کون ہے؟ ہم کیا کریں؟ ہمیں بچاؤ کی کوئی بات بتائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! جب اس امت میں اختلافات اٹھیں گے اور طرح طرح کے فتنے اٹھیں گے تو میں تمہیں نشان دیے جاتا ہوں۔۔۔ نشان۔۔۔ سلامتی کا نشان تو ہو گا! تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم متوجہ ہوئے کہ کیا بات ہوتی ہے؟ فرمایا! دور سے ایک آدمی آرہا تھا سر اُس نے ڈھانپا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ھذا یومئذ علی الھدی کہ جس دن اس امت پر فتنوں کی بارش ہو گی اُس دن یہ شخص ہدایت پر ہو گا۔ جدھر یہ ہو گا۔۔۔ اُدھر ہونا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دوڑ کر دیکھنے لگے کہ وہ کون ہے۔ اس نے چہرے سے جب چادر ہٹائی تو وہ عثمان غنیؓ تھے (1)

تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد نے یہ جو ہمارے سامنے پیش کیا کہ جب بھی اس طرح بات ہو تم نے دیکھنا ہے کہ عثمانؓ کس طرف ہے؟ جدھر عثمانؓ ہے تمہارا ووٹ، تمہاری رائے اُس طرف ہونی چاہیے۔ تو جب اختلافات پیدا ہوئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کی اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔ پس حضرت عثمان غنیؓ ہی اِس امت کے لیے حق کا نشان ہیں اور اُن کے لیے مسلمانوں کو غیرت آنی چاہیے کہ اُن کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہ ہوں۔ جب سے حضرت آدمؑ اس دنیا میں تشریف لائے کوئی انسان ایسا نہیں ہوا کہ جس کے نکاح میں پیغمبر کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی ہوں۔ سوائے حضرت عثمانؓ کے کہ حضرت آدم سے لے کر آپ تک اِس کی کوئی مثال نہیں۔ اور حضرت عثمانؓ غنی بڑے آدمی ہیں۔ میں اپنے بھائیوں سے یہ التجا کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو خاص طور پر اپنی اولاد کو بیٹوں کو یا بیٹیوں کو اگر اپنی تاریخ نہیں بتائیں گے تو اُن کے عقائد درست نہ رہ سکیں گے۔ ایک ہے دینیات سیکھنا اور ایک ہے اپنے عقائد

(1) و ذکر الفتن فقربها فمر رجل مقنع فی ثوب فقال هذا یومئذ علی الهدی فقمت الیه فاذا هو عثمان بن عفان فاقبل علیه بوجهه فقلت هذا قال نعم۔ هذا حدیث حسن صحیح (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۱)

کی حفاظت کرنا کہ نماز پانچ وقت پڑھنی ہے۔ یہ دینیات ہے اور اسی طرح کہ رمضان کے روزے رکھنے ہیں اور ایک ہے اپنی تاریخ کو زندہ رکھنا۔ جب تک آپ اپنی تاریخ اِن کو نہیں بتائیں گے، اہلِ سنّت والجماعت کے عقیدے پر نہیں رہ سکتے۔ اور یاد رکھو! نجات کے لئے اہلِ سنّت والجماعت کے سوا اور کوئی نہیں! نبی پاک ﷺ نے فرمایا جتنے بھی فرقے ہیں سب ناری سوائے ایک طبقے کے اور وہ کون لوگ ہیں؟ جو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہیں! تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہونے والی جماعت کو کہتے ہیں اہلِ سنّت والجماعت۔ سنّت نبی ﷺ کی اور جماعت بھی نبی ﷺ کی جنہیں صحابیؓ کہا جاتا ہے۔ تو اس دیارِ غیر میں آپ اگر چاہتے ہیں کہ ہماری اگلی اولادیں مسلمان رہیں تو اُن کے ساتھ اتنی بات کافی نہیں کہ نماز پڑھ لیں اور روزے رکھیں۔ عقیدے کو درست کرنے کے لیے عقیدۂ اہلِ سنّت والجماعت ضروری ہے۔ اور اہلِ سنّت والجماعت وہ ہیں جو نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملا کر رکھیں۔ اور جو نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملا کر نہیں رکھتے وہ اِن میں سے نہیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس پر مطلع فرمایا کہ یہ اختلاف پیدا کرنے والے جو تھے وہ یہودی تھے۔ تو عبداللہ بن سبا یہودی، حضرت علیؓ کے وقت میں ظاہر ہوا اور اُس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کا آغاز کیا۔ اور اُس سے پوچھا گیا کہ عثمانؓ تو بُرے ہیں تو حضرت علیؓ؟ تو چاہیے تھا کہ کہتا کہ وہ اچھے ہیں۔ کہنے لگا! کہ حضرت علیؓ خدا ہیں۔ یعنی اہلِ بیت اور حضور ﷺ کو صحیح شکل میں قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ یہودی نے آپ کو خدا کہا، جب خدا کہا تو حضرت علیؓ کو کسی نے اطلاع دے دی۔ تو آپ نے اِس کو زندہ آگ میں ڈال دیا۔ حالانکہ آگ کا عذاب جو ہے وہ خدا کا عذاب ہے۔ یعنی جو حکومتیں اور قاضی ہیں وہ پتھروں سے قتل کی سزا، تلوار کی سزا، لوہے کی سزا دے سکتے ہیں۔ لیکن جو سزا خدا کی ہے وہ دینا منع ہے۔ اے لوگو! تم نے کسی دشمن سے بدلہ بھی لینا ہو تو جو عذاب خدا کا ہے اس میں آگ کا عذاب دینا ہے۔

بعض علاقوں میں ایسے لوگ ہیں جو خارجی ذہن کے ہیں۔ حضرت علیؓ کے بھی مخالف ہیں۔ تو مجھے کسی نے کہا کہ تم علیؓ کی شان بیان کرتے ہو انہوں نے تو عبداللہ بن سبا یہودی کو

آگ کی سزا دے دی۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ کسی کو وہ عذاب نہ دو کہ جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ کس کو؟ کہنے لگے عبد اللہ بن سبا کو۔ میں نے کہا کہ اُس نے کیا کہا تھا؟ اُس نے کہا تھا کہ علیؓ خدا ہیں۔ تو جب اُس نے کہا تھا کہ علیؓ خدا ہیں تو علیؓ نے کہا کہ اِس کو سزا بھی ایسی دوں جو خدا دیتا ہے۔ تاکہ اِس کی کوئی بات تو پوری ہو۔ تو مرتے وقت اس کی بات پوری کر دی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جلّ شانہ توفیق عطا فرمائے تو میں پھر نوجوانوں سے درخواست کروں گا کہ یہ جو تاریخ ہے خاص طور پر حضور ﷺ کے سفر آخرت کی کہ حضور ﷺ سفر آخرت پر بیمار ہوئے۔ کیا حالات پیش آئے اور آپ ﷺ کے بعد گورنمنٹ کیسے بنی۔ ربیع الاول کے موقع پر لیکن خاص اس سفر آخرت کو اس ترتیب سے یاد رکھنا جس ترتیب سے میں نے آپ کے سامنے بیان کیا۔۔۔ یہ ضروری ہے۔ اور سارے لوگ تو یہاں آتے نہیں، آپ کے اپنے بیٹے بیٹیاں اور آپ نوجوان ان کو یہ لائن جو ہے صحیح عقیدہ ہونے کی وہ کون بتائیں گے؟ یہ آپ کے ذمے ہے۔ مجھ سے کسی نے کبھی آکر یہ نہیں پوچھا کہ جی ہمارے بیٹے بیٹیاں تو درس میں نہیں آتے تو اُن کے عقیدے درست کرنے ہیں تو کون سی کتاب پڑھیں؟ حالانکہ اگر پوچھیں تو ہم بتا سکتے ہیں۔ جواب دے سکتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے نجات اسی میں رکھی ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو طریقہ ہے وہی دین ہے۔ لوگ عمل نہ کریں تو گنہ گار ہیں۔ لیکن اگر عمل کرنا ہے تو اسلام وہی ہے جو اہل سنّت والجماعت کا ہے اور جتنے لوگ بھی ہیں وہ پٹری سے اترے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل سنّت والجماعت کے اس طریقہ پر قائم اور دائم رکھے۔

وما علینا الا البلاغ۔
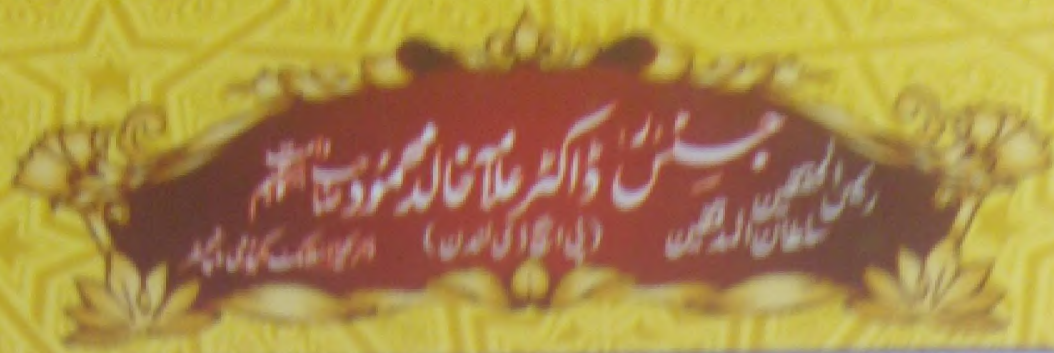
کتاب کا نام	جلدیں	موضوع
آثار التنزیل	2	قرآن کا تعارف
آثار الحدیث	2	حدیث کا تعارف
آثار التشریع	2	فقہ کا تعارف
آثار الاحسان	2	تصوف کا تعارف
خلفائے راشدینؓ	2	مسئلہ خلافت اور وقائع خلافت
عبقات	2	باب الاستفسارات
عقیدۃ الامت	1	فی معنی ختم نبوت مطالعہ قادیانیت (اول)
عقیدہ خیر الانام	1	حضرت عیسیٰ ابن مریم (مطالعہ قادیانیت جلد 2)
عقیدۃ الاعلام (فی الفرق بین الکفر والاسلام)	1	کفر اسلام کا تصفیہ (مطالعہ قادیانیت جلد 3)
مرزا غلام احمد قادیانی	1	اپنی تحریرات اور پیش گوئیوں کے آئینہ میں مطالعہ قادیانیت جلد (چہارم)
مقام حیات	1	مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان
مطالعہ بریلویت	8	ایک تاریخی اور تحقیقی دستاویز
شاہ اسماعیل شہیدؒ	1	شاہ اسماعیل شہیدؒ کے عقائد و معرکہ بالاکوٹ
مقدمہ کتاب الاستفسار	1	عیسائیت کے بارے میں (مولانا آل حسن)
معیار صحابیت	1	رافضیت کی نگری میں لکھی گئی باتوں کا جواب
نماز کا مقام توحید	1	شاہ شہیدؒ کی ایک عبارت پر اعتراض کا جواب
آسان راستہ	1	قادیانیت کو سمجھنے کے لئے
تجلیات آفتاب	1	مقدمہ آفتاب ہدایت (مولانا دیرؒ)
مضامین القرآن بست بابی	2	مختصر دورہ تفسیر

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ
042-37321526
LG10 ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور